"راجا میں نادر شاہ کو قتل کرنے جارہا ہوں۔" کہا تو میں نے سرگوشی میں تھا لیکن راجا یوں اچھلا جیسے بینچ کے نیچے بم پھٹا ہو۔ اس کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں اور سانولا رنگ کسی قدر اجلا ہو گیا۔ یعنی سفید پڑ گیا پھر اس نے چاروں طرف اس طرح دیکھا جیسے اسے خدشہ ہو کہ پولیس حوالدار نادر خان عرف نادر شاہ آس پاس کہیں موجود تھا اور ابھی ہم دونوں کی گردن پکڑ لے گا۔ اصل مجرم تو میں ہوں گا لیکن وہ بھی گیہوں کے ساتھ گھن کی طرح پسے گا۔ نادر شاہ جائے واردات پر موجود ہر فرد کو بلا تخصیص رنگ و نسل، زبان و رسان، مذہب و ملت، مرد و زن اور عمر کے پکڑ کر حوالات میں ڈال دینے کا قائل تھا۔ دس سال کا نٹیبلی، پانچ سال ہیڈ کانسٹیبلی اور گزشتہ دس سال سے حوالداری نے اسے پکا پولیس والا بنا دیا تھا۔ جس کے دل میں رحم و مروت نام کی کوئی شے باقی نہیں رہی تھی۔ علاقے کے وہ تمام مجرم جو تھانے میں

آپ کے جانے پہچانے کردار کی نئی فتنہ سامان جلیل کا تازہ کارنامہ

چکر بازی کے فن میں ماہر اس چکر باز کا قصہ جس کا واسطہ کئی چکر بازوں سے پڑ گیا تھا۔ اس چکر میں وہ اپنی عزیز از جان محبوبہ کی سونے کی بالیاں بھی داؤ پر لگا بیٹھا تھا۔

چکر باز

کاشف زبیر

اس کی میزبانی سے فیض یاب ہو چکے تھے' اب اس کے نام سے کانوں کو ہاتھ لگاتے تھے اور وہ تمام شرفا جو اس کی دست درازیوں کا شکار ہو چکے تھے' محض اس کا نام سن کر بے ہوش ہو جاتے تھے۔ اب ایسے شخص کو میں سرعام قتل کرنے کا ارادہ ظاہر کر رہا تھا تو راجا کا خوف زدہ ہونا حق بہ جانب تھا۔ ساتھ ہی اسے میری دماغی صحت کے بارے میں تشویش لاحق ہو گئی تھی۔

راجا بے شک میرا لنگوٹیا یار تھا مگر اس کی اور میری دوستی ویسی ہی تھی جیسے ایک بینک اور اس کے گاہک کے تعلقات۔ جب تک گاہک کو ضرورت نہیں ہوتی تو بینک اسے قرض دینے کو کوشاں رہتا ہے اور جب ضرورت ہوتی ہے تو آنکھیں ماتھے پر رکھ لیتا ہے۔ اسی طرح جب مجھے راجا کی ضرورت پیش آتی ہے تو وہ غائب ہوتا ہے۔ پہلے میں بدقسمتی سے اس کے گھر چلا گیا۔ جہاں اس کی بارہ من کی ماں نے جو دھوبن بھی تھی' مجھے ایک سو ایک زنانہ گالیوں اور کوسنوں سے نوازنے کے بعد کہا کہ راجا کی تباہی کا ذمے دار میں ہوں۔ گالیوں اور کوسنوں کی تو خیر تھی لیکن جہاں تک تعلق راجا کی تباہی کا تھا تو مجھے اس سے سخت اختلاف تھا۔ تباہ اسی چیز کو کیا جاتا ہے جو کبھی تعمیر ہوئی ہو۔ راجا پہلے ہی تباہ شدہ تھا۔ وہ پیدا ہی تباہ حالت میں ہوا تھا۔ بہرحال میں بدقسمتی کے دوسرے راؤنڈ میں راجا کی دکان راجا ڈرائی کلینرز جا پہنچا جہاں اس کا جلاد اعظم باپ موجود تھا۔ جو اپنی اکلوتی اولاد کے ساتھ میلے کپڑوں سے زیادہ برا سلوک کرتا تھا۔ اس نے مجھے ایک سو ایک مردانہ گالیاں دیں پھر اس نے الزام لگایا کہ راجا کا دل کاروبار سے ہٹانے میں میرا ہاتھ ہے جو خود تو شتر بے مہار کی طرح گھومتا رہتا ہوں اور اسے بھی کام کرنے نہیں دیتا۔

"تم اس سے کام لیتے ہو۔" میں نے گستاخانہ لہجے میں سچ بولا "ایسا سلوک تو بیگار کیمپ والے بھی اپنے قیدیوں کے ساتھ نہیں کرتے۔" اس کے بعد میں جان بچا کر بھاگا مگر راجا کے باپ کا نشانہ بہت اچھا تھا۔ اس نے تالا پھینک کر مارا جو سیدھا میری تشریف پر آ کر لگا۔ میں نے ایک نعرہ بلند کیا اور اس سے پہلے کہ راجا کا باپ دوسرا تالا مارتا میں اس کی زد سے نکل چکا تھا۔ راجا خبیث حسب معمول دکان کے تالوں میں ایلفی ڈال کر کہیں دفع ہو گیا تھا اور اس کا کیا مجھے بھگتنا پڑا۔ تالے میں ایلفی ڈالنے کے بعد ان کے کھلنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا لہٰذا راجا چھٹی کرتا تھا۔

راجا اس جگہ موجود تھا جس کا خیال مجھے سب سے بعد میں آیا۔ یعنی فتو کے کیفے ڈی پھونس میں۔ اگر میں پہلے ہی یہاں آجاتا تو گالیوں' کوسنوں اور الزامات کے علاوہ ایک عدد تالا کھانے سے بھی بچ جاتا۔ میری تشریف ابھی تک دکھ رہی تھی اور راجا کے سامنے بینچ پر بیٹھتے ہوئے میرے لبوں سے مرد آہ خود بہ خود برآمد ہوئی تھی۔ راجا نے میری آمد نوٹ کر لی تھی لیکن فی الوقت وہ مجھ پر توجہ دینے کے موڈ میں نہیں تھا کیونکہ اس کی توجہ برابر میں بیٹھے شخص کے ہاتھ میں دبے رسالے پر تھی جس میں فرنگی حسیناؤں کی نظر نواز تصاویر تھیں۔ جب میرا صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا تو میں نے راجا کی گردن پکڑ کر اپنی طرف کھینچا۔

"یار' تھوڑا دیکھ لینے دے۔" وہ منمنایا۔

"میں تجھے ایسے جتنے کہے گا' رسالے دلا دوں گا لیکن فی الوقت میری سن۔" میں اسے کھینچ کر کیفے ڈی پھونس کے ایک بعید گوشے میں لے گیا۔ میں نے چلا کر فتو کو دوبالائی کا آرڈر دیا۔ چلانے کی وجہ قارئین اچھی طرح جانتے ہیں۔ یعنی فتو کا لرزہ خیز آواز والا ڈیک اور اس پر چلنے والے بے ہودہ گانے۔ جن میں سے اکثر صرف بالغان کے لیے تھے مگر بڑوں سے زیادہ بچے سننے کے لیے جمع رہا کرتے تھے۔ بہرحال جب میں نے راجا کے کان میں سرگوشی میں اپنے قاتلانہ عزائم کا اظہار کیا تو راجا اچھل پڑا تھا۔ اس نے مشکوک انداز میں مجھے دیکھا۔

"تو نے کچھ پیا ہے؟" وہ بولا۔

"ابھی ایک گھنٹے پہلے اماں کے ہاتھ کی بنی چائے پی تھی۔" میں نے سوچ کر کہا۔

"تب تیرا دماغ خراب ہو گیا ہے۔" راجا نے فیصلہ کن لہجے میں کہا "کوئی ہوش و حواس سلامت رکھنے والا شخص صرف نشے کی حالت میں یہ بات کہہ سکتا ہے۔ نادر شاہ کا قتل ... ارے باپ رے۔" اس نے بوکھلا کر اپنے پیٹ پر ہاتھ پھیرا۔

میں نے دانت پیسے "راجا مردود۔ میں نہ نشے میں ہوں اور نہ ابھی میرا دماغ خراب ہوا ہے۔ جو میرے ساتھ اس منحوس نادر شاہ نے کیا ہے' اس کے بعد مجھ پر اس کا قتل واجب ہو گیا۔"

"کیا تو نے کسی مذہبی تنظیم میں شرکت کر لی ہے۔" راجا نے ایک بار پھر مشکوک نظروں سے مجھے دیکھا۔

"راجا کمینے کیوں شرمندہ کرتا ہے۔" میں نے کھسیا کر کہا "میں اکثر جمعے کی نماز میں شرکت نہیں کرتا تو۔"

"تب یہ فتویٰ کیوں دے رہا ہے۔ ہمارے آباؤ فساد ملاؤں کی طرح جو ایک دوسرے کے قتل کو واجب قرار دیتے ہیں۔"

"تو پوری بات سن لے' اس کے بعد یہ فتوے لگانا۔"

urdupoint.com

میں نے کہا۔ اس لمحے فتو نے نہایت عزت سے نسبتاً اچھے کپوں میں چائے سامنے لاکر رکھی اور بولا "بل پیشگی۔"

"اس میں بالائی کہاں ہے؟" میں نے بغور چائے کا جائزہ لیا جس کی سطح پر بھورے رنگ کا ایک پردہ سا بن رہا تھا۔ اسے ہرگز بالائی قرار نہیں دیا جا سکتا تھا۔

"بالائی تہ میں ہے۔" فتو نے دانت نکالے "زیادہ بھاری ہوگئی تھی۔ اس کے لیے تیرنا مشکل ہو گیا تھا۔"

بادلِ ناخواستہ میں نے چائے کی رقم نکالی "فتو یاد رکھ' اس علاقے میں ہوٹلوں کی کمی نہیں ہے۔"

"میرے کو کیوں بتا رہا ہے۔" اس نے رقم بے نیازی سے جیب میں رکھی۔ اس کے جانے کے بعد میں نے سرد آہ بھری "یقین نہیں آتا کہ یہ وہی اپنا یار فتو ہے جس نے کبھی حساب نہیں رکھا۔"

راجا نے سر ہلایا "حساب دوستاں در دل۔"

"درِ دل ابوجہل۔" میں نے تصحیح کی "اور اب یہ فتو ہم سے پیشگی بل وصول لیتا ہے۔"

راجا نے فاتحانہ انداز میں مجھے دیکھا "تو پھر درِ بل درست ہوا نا۔"

غور و فکر کرنے کے بعد مجھے راجا سے اتفاق کرنا پڑا پھر مجھے یاد آیا کہ میں راجا کے پاس کس لیے آیا تھا۔ میں نے ایک بار پھر سرگوشی میں کہا "راجا میں نادر شاہ کو جہنم واصل کرنے کا قطعی فیصلہ کر چکا ہوں۔" اس دفعہ راجا اچھلا نہیں تھا۔

"لیکن میرے پاس تو سو روپے بھی نہیں ہیں۔" راجا نے رو دینے والے لہجے میں کہا۔

"لیکن اس بات کا سو روپے سے کیا تعلق ہے؟"

"گہرا تعلق ہے۔" راجا نے چائے کو خونِ جگر کی طرح پیتے ہوئے کہا "اب تو تھرڈ کلاس میں بھی کراچی سے لاہور تک کا ٹکٹ دو سو بیس روپے کا ہو گیا ہے۔"

"راجا۔" میں نے سر پکڑ کر کہا "میں پہلے ہی پریشان ہوں۔ یہ بکواس کرنے کے بجائے سیدھے لفظوں میں بتا کتے کی دُم۔"

"تو نادر شاہ کو جانتا نہیں۔" راجا چڑ کر بولا "اسے قتل کرنا تو ایک طرف رہا' اسے تیرے عزائم کی بھنک بھی پڑ گئی تو وہ تجھے ہوا میں تحلیل کر جائے گا۔ کارپوریشن والے گلی کے کتوں کو چھوڑ کر پالتو کتے لے جاتے ہیں اور اس کے بعد تیرے دوستوں کی شامت آئے گی۔ بدقسمتی سے ان میں میرا نام سرِفہرست ہے لہٰذا اب بہت ضروری ہو گیا ہے کہ میں اپنے سب سے پرانے خواب کو عملی تعبیر دوں اور لاہور نکل جاؤں۔ جلیل کیا تو اپنے بچپن کے دوست کو کچھ رقم ادھار دے گا۔ دیکھ بعد میں تو اپنے مقصد میں کامیاب ہو یا ناکام ہو' تجھے رقم کی ضرورت نہیں پڑے گی۔"

راجا کی باتیں سن کر میرا خون چائے کے پانی کی طرح کھولنے لگا۔ میں نے آتش فشاں کی طرح گڑگڑا کر گالیوں کا لاوا اگلا۔ ان میں وہ تمام مروجہ اور غیر مروجہ نصابی گالیاں شامل تھیں' جو عرصۂ دراز سے اردو نصاب میں شامل ہوتی آئی ہیں۔ تھانوں اور جوئے خانوں میں ان کی یکساں مانگ ہے۔ راجا ڈھٹائی سے سنتا رہا اور آخر میں اس نے مجھے یاد دلایا کہ فلاں گالی اور فلاں لقب دینا تو بھول ہی گیا ہے۔

"راجا' خبیث' مردود میں تیرے پاس مدد کے لیے آیا تھا اور تو فرار ہونے کی بات کر رہا ہے۔ خود غرض اور مفاد پرست میں تیری۔"

"مجھے تمام گالیاں قبول ہیں کیونکہ ان سے میرا بال بھی بیکا نہیں ہوگا لیکن تیرا ساتھ دینے کی صورت میں۔" اس نے کانوں کو ہاتھ لگایا "میرے سر پہ بال نہیں رہے اور ممکن ہے دھڑ پر سر بھی نہ رہے۔"

اس بار میں نے گالیاں دینے سے گریز کیا اور ڈپلومیسی سے کام لیا۔ "راجا مجھے تجھ سے ایسی امید نہیں تھی۔ مجھے یاد نہیں کہ ہم نے کتنے معرکے اکٹھے کیے اور کتنی بار جان ہتھیلی پر رکھی۔"

UrduPhoto.com

"یہ سب پرانی باتیں ہیں۔ اس وقت ولن کوئی نادر شاہ نہیں تھا۔ تو اس کے بارے میں اچھی طرح جانتا ہے اور مجھے اپنی ہڈی پسلی بے حد عزیز ہے۔"

میں نے ایک بار پھر ضبط سے کام لیا "اچھا تو میرا ساتھ نہیں دے سکتا لیکن میری داستانِ الم تو سن سکتا ہے۔ اس خبیث حوالدار نے میرے ساتھ کیا کیا۔" میرا لہجہ رقت آمیز ہوگیا "اس دفعہ راجا بھی تھوڑا بہت متاثر ہوا تھا لہٰذا میں نے بات جاری رکھی۔ "تجھے معلوم ہے میں شنو کے لیے بڑی محبت سے بالیاں لے کر آیا تھا۔"

"اپنی ساری محبت اور تمام جمع پونجی کے ساتھ۔" راجا نے تصحیح کی "میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ساری دنیا کو انگلیوں پر نچانے والا جلیل الزماں ایک لڑکی کے سامنے کاٹھ کا الو کیوں بن جاتا ہے۔"

"راجا الو کے پٹھے۔" میں نے برہمی سے کہا "تو نے محبت کی ہو تو تجھے معلوم ہو۔"

راجا نے سنا نہیں۔ وہ حسد آمیز لہجے میں کہہ رہا تھا "تو نے ایک لڑکی کے لیے آٹھ ہزار خرچ کردیے۔"

"بیٹے کرنا پڑتا ہے۔" میں نے سرد آہ بھری "جب تو کبھی گرفتارِ دامِ الفت ہوگا۔ بیٹے تب تجھ سے پوچھوں گا۔"

"صرف دو بالیوں کے لیے آٹھ ہزار۔" راجا نے دلدوز انداز میں کہا "اتنی رقم سے تو میں بائی ائر لاہور جا سکتا تھا۔"

"اور دھکے کھا کر واپس بھی آسکتا تھا۔" میں نے بھنا کر کہا "راجا گدھے، خواب دیکھنا چھوڑ دے اور حقیقت کی دنیا میں آجا۔" اس کے بعد میں نے اپنی داستانِ الم کا آغاز کیا۔

○☆○

عظیم جسم میں چھوٹا سا دل رکھنے والے مہا کنجوس جمن خان عرف جمی کی جیب سے اٹھارہ ہزار نکلوا کر میں بے حد خوش تھا اور اس خوشی میں نازو کو بھی معاف کردیا جو میری جیب کی صفائی کر گئی تھی۔ مجموعی طور پر وہ چھ ہزار کے فائدے میں رہی تھی۔ میرا کام نکل چکا تھا لہٰذا میں نے دوبارہ اس سے ملنا ضروری نہیں سمجھا اور راجا کے ساتھ سیدھا صرافہ بازار پہنچا۔ بالیاں میں پہلے ہی دیکھ چکا تھا۔ سنار مجھے جانتا تھا اور میں نے اس پر واضح کردیا تھا کہ سونے میں ایک فی صد بھی ملاوٹ پائی گئی تو وہ خسارے میں رہے گا۔

"ایسا ہو سکتا ہے جلیل بھائی؟" سنار نے دانت نکال کر کہا "اپن ہمیشہ کھرا مال دیتا ہے۔"

ڈیڑھ تولے کی ان بالیوں کے اس نے بلغ آٹھ ہزار دو سو روپے طلب کیے اور آٹھ ہزار بادلِ ناخواستہ وصول کرلیے۔ البتہ رسید میں نے آٹھ ہزار دو سو کی بنوائی تھی۔ گھر آکر میں نے خالہ لاؤڈ اسپیکر کی دیوار تلے بلی کی آواز نکالی۔

اماں باورچی خانے سے چلائیں "جلیل دیکھ یہ حرام خور منحوس بلی پھر آگئی۔ ابھی کل دو چوزے لے گئی تھی۔"

اماں کو میں کیسے بتا سکتا تھا کہ وہ منحوس بلی میں ہی ہوں۔ چوزے لے جانے والی بلی یقیناً دوسری تھی۔ شنو نے میری میاؤں میاؤں سن لی تھی اور اس نے جوابی میاؤں کر کے بتایا کہ وہ چھت کے مخصوص پوائنٹ پر میری منتظر ہوگی۔ یہ ہمارے کوڈ ورڈ تھے جن کی مدد سے ہم ظالم سماج (اماں + خالہ لاؤڈ اسپیکر) کی موجودگی میں اپنے دل کی بات کرسکتے تھے۔ بالیاں میں نے احتیاط سے اپنی الماری میں چھپادیں۔ اگر اماں کی نظر پڑجاتی تو جواب دینا مشکل ہوجاتا۔

شام سورج ڈھلتے ہی میں چھت پر پہنچ گیا۔ جہاں خلیل سیٹیوں اور آوازوں کے سگنلز سے اپنے کبوتروں کی پرواز کنٹرول کر رہا تھا۔ جیسے ہم ریموٹ سے ٹی وی کنٹرول کرتے ہیں۔ کبوتر سعادت مند اولاد کی طرح اس کے اشاروں پر فضائی کرتبوں کے مظاہرے کر رہے تھے۔ میرا موڈ آف ہوگیا۔ خلیل مجھے دیکھ کر مسکرانے اور گنگنانے لگا۔

"کچے دھاگے سے بندھے میرے سرکار چلے آتے ہیں۔"

"سرکار کے بچے، تیرا اس وقت چھت پر پایا جانا ضروری ہے۔" میں نے بھنا کر کہا۔

"وہ بلائیں اور ہم نہ آئیں، ایسے تو حالات نہیں۔" خلیل نے دوسرا مصرع گنگنایا۔

"خلیل خدا کے لیے یہ شاعری مجھے بعد میں سنا دینا۔ ابھی تو نیچے جا اور دیکھ اماں میرے بارے میں پوچھیں۔"

"تو میں کہہ دوں گا کہ بھائی چھت پر تو نہیں ہے اور نہ ہی شنو سے ملاقات کر رہا ہے۔" اس نے سعادت مندی سے کہا۔

"میں نے صرف دانت پیسے" خلیل خدا کے لیے۔ یہ اپنا فیملی فرنٹ کسی اور وقت کے لیے اٹھا کر رکھ۔" پھر مجھے ایک خیال آیا "میں نے سنا ہے پہلوان اپنا کالا بیچ رہا ہے۔"

خلیل نے مجھے مشکوک نظروں سے دیکھا "پہلوان اپنے لختِ جگر بیچ سکتا ہے لیکن کالے کو نہیں۔"

کالا پہلوان کا عزیز از جان کبوتر تھا جو خلیل کا حریف تھا۔

"مت یقین کرو۔" میں نے بے نیازی سے کہا "بعد میں نہ کہنا کہ بھائی نے بتایا نہیں۔"

"مگر پہلوان کالے کو کیوں بیچنے لگا؟" خلیل کو اب تک

UrduPhoto.com

یقین نہیں آیا تھا۔

"ہوگی کوئی ضرورت۔ ابھی اس کا پورا سسرال دو مہینے رہ کر گوجرانوالہ گیا ہے ممکن ہے وہ پہلوان کو دیوالیا کر گیا ہو۔ ویسے پہلوان بہت ضرورت مند لگ رہا تھا۔" اس دفعہ میں کامیاب رہا۔ خلیل جھانسے میں آگیا۔ اس نے کبوتروں کو واپسی کا ہنگامی سگنل دیا اور کبوتر بادلِ ناخواستہ واپس آنے لگے۔ جنہیں وہ پکڑ پکڑ کر پنجرے میں بند کرتا رہا مگر کچھ شاہین بچوں نے نیچے آنے سے انکار کردیا اور جب بار بار سگنل دینے پر نیچے نہیں آئے تو خلیل نے انہیں بے نقط سناتے ہوئے مجھ سے درخواست کی "جلیل بھائی ذرا ان حرامیوں کو دیکھنا۔ ابھی تو مجھے جلدی ہے۔ بعد میں ان سے نمٹوں گا۔"

"تم فٹافٹ جاؤ۔ باقی سب مجھ پر چھوڑ دو۔ میں نے سنا ہے کہ فیضو قسائی بھی پہلوان کے کالے میں دلچسپی لے رہا ہے۔"

اُدھر خلیل سخت افراتفری کے عالم میں رخصت ہوا' اِدھر شنو مجسم قیامت بنی چھت پر آگئی۔ اس نے بے حد سرخ غرارے پر بے حد تنگ کرتی پہن رکھی تھی۔ اس کا رنگ بھی سرخ تھا۔ دوبالشت کے سرخ دوپٹے سے اس کے آتشیں شباب کی صرف بیس فیصد پردہ پوشی ہو رہی تھی۔

"نصیب دشمناں۔ دشمنوں کی طبیعت تو ٹھیک ہے کہیں آج دشمنوں نے۔"

"یہ کیا آتے ہی دشمنی' دشمنی شروع کردی۔" شنو خفا ہوگئی "تم چاہتے ہو میں واپس چلی جاؤں؟"

"نہیں۔" میں نے بوکھلا کر کہا "میں نے سوچا کہ شاید تم نے ایمرجنسی میں رخصت ہو کے میرے گھر آنے کا فیصلہ کیا ہو۔ اب صرف قاضی اور دو گواہوں کی ضرورت۔"

اس کے بعد مجھے دیوار پھلانگ کر اسے روکنا پڑا۔ وہ ضدی حسینہ سچ مچ ناراض ہو رہی تھی۔ بالآخر اسے منا کر میں نے الزام اسی کے سر رکھ دیا کہ ایسے کپڑوں میں گھر سے وداع ہونے والی دلہن نہیں تو اور کیا لگے گی۔ بیر بہوٹی۔

"میں شادی میں ہی جارہی ہوں۔" اس نے مطلع کیا۔

"کاش کہ وہ دن بھی آئے جب میں تمہیں اپنی شادی میں بلا سکوں۔" میں نے آہ بھر کر کہا اور ایک بار پھر دیوار سے لٹک کر شنو کو روکنا پڑا۔ بے معنی خیز جملہ اس کے سر سے کئی فٹ اوپر سے گزر گیا۔ اس نے تقریباً رو دینے والے لہجے میں کہا۔

"مجھے معلوم ہے۔ تیرا اب مجھ سے دل بھر گیا ہے۔ تو ان لوگوں میں سے ہے جو محبت کسی اور سے کرتے ہیں' منگنی کسی اور سے اور شادی کسی اور سے۔"

"اور طلاق کسی اور ہی کو دے دیتے ہیں۔" میں نے دانت نکال کر کہا "شنو میں نے پہلے دو کام تجھ سے ہی کیے ہیں۔ یعنی محبت اور منگنی۔ بے شک غیر سرکاری سہی اور باقی دو کام بھی تیرے ساتھ ہی کروں گا۔" یہ تو مجھے بعد میں احساس ہوا کہ جملہ ایک بار پھر غلط ہوگیا ہے اور میں جان پر کھیل کر شنو کو اس کی سیڑھیوں سے واپس لایا۔ اگر خالہ لاؤڈ اسپیکر مجھے دیکھ لیتیں تو میری خیر نہیں تھی۔ اس بار میں نے شنو کی کلائی مضبوطی سے پکڑی اور برہمی سے کہا "شنو کیا تو نے مجھے کاٹھ کا الو سمجھ رکھا ہے۔"

"اس میں سمجھنے کی کیا بات ہے۔" اس نے میری بات کاٹی۔

"میں نے تجھے اس لیے یہاں نہیں بلایا ہے کہ دوڑ دوڑ کر تجھے واپس لاتا رہوں۔ فی زمانہ مجھ جیسا شریف عاشق نہیں ملے گا۔ جو دور دور سے دیکھ کر آنکھیں ٹھنڈی کرتا رہے۔ میری جگہ کوئی اور ہوتا جو تجھے اس حلیے میں دیکھتا تو۔"

"کیا کرلیتا؟" شنو تنک کر بولی۔

اور جب میں نے اسے بتایا کہ مبینہ عاشق کیا کر سکتا تھا تو اس کا ذاتی رنگ بھی سرخ ہوگیا۔ "جلیل بے شرم۔" اس نے بہ مشکل کہا لیکن اس بار واپس نہیں گئی۔

"ایک بات تو بتا۔ اتنے تنگ کرتے میں تو سانس کیسے لے رہی ہے۔ تجھے دیکھ کر میری سانس رک رہی ہے۔"

"میں جارہی ہوں۔" اس نے شرم و غصے سے لال ہوتے ہوئے کہا مگر گئی وہ اس بار بھی نہیں۔ ظاہر ہے وہ تنگ کرتی پہن کر ہی اس لیے آئی تھی کہ میں اسے دیکھوں اور چھیڑوں کہ ایک چھیڑ پہ منحصر ہے اس جہاں کی رونق۔

"شنو ذرا آنکھ بند کر۔" میں نے جیب ٹٹولتے ہوئے کہا۔

"کیوں۔" اس نے مشکوک نظروں سے مجھے دیکھا۔

اس دفعہ میرا پیمانۂ صبر لبریز ہو کر چھلک گیا "شنو الو کی پٹھی تو نے یہ سوال جواب بند نہیں کیے تو میں جو تیرے لیے لایا ہوں' وہ لے جا کر کسی گٹر میں پھینک دوں گا۔"

شنو بے شک کوڑھ مغز سہی بلکہ بعض اوقات مجھے شک ہوتا تھا کہ اس کے خوب صورت سے سر میں کوئی دماغ تھا بھی یا نہیں مگر وہ میرا لہجہ خوب پہچانتی تھی لہٰذا اس نے فوراً آنکھیں بند کرلیں۔ میں نے جیب سے ڈبیا نکال کر اس میں سے بالیاں برآمد کیں۔ یہ خاص ڈیزائن کی بالیاں تھیں۔ میں نے بالیاں شنو کی آنکھوں کے سامنے کرکے اسے آنکھیں

UrduToto.com

کھولنے کو کہا۔ اس نے آنکھیں کھولیں اور ہلکی سی چیخ ماری "ہائے اللہ، کتنی خوب صورت ہیں۔" اس نے بالیاں جھپٹ لیں۔ "میرے لیے لائے ہو۔ آر یو فینشل ہیں۔"

"شنو یہ پورے آٹھ ہزار اور دو سو کی ہیں اور سو فیصد سونے کی ہیں۔"

"تو بے وقوف بنا رہا ہے مجھے۔" اس نے بے یقینی سے کہا۔

میں نے سرد آہ بھری "بنانے کی کیا ضرورت ہے۔ میرا مطلب ہے کہ تو چاہے تو کسی سنار سے چیک کرا سکتی ہے۔ اگر اس رسید سے تیری تسلی نہیں ہوتی۔" میں نے اس کی خدمت میں رسید پیش کی۔ رسید دیکھتے ہی اسے یقین ہو گیا اور اس نے مارے خوشی کے بغیر سوچے سمجھے میرا گال چوم لیا اور جب اپنی حرکت کا احساس ہوا تو وہ بدحواس ہو کر زینے کی طرف بھاگی اور غرارے سمیت غڑاپ سے غائب ہو گئی۔

میں نے مسرت سے بھرپور قہقہہ لگایا۔ اسی لمحے خلیل آ گیا۔

"کیا پاگلوں کی طرح اکیلے کھڑے ہنس رہے ہو۔" وہ خاصا ناراض نظر آ رہا تھا۔ اس کے ماتھے پر اور آنکھ تلے ایک نیل تھا۔

"کیا ہوا ہے تجھے کس نے مارا؟" میں نے پوچھا۔

"اس کی بیوی نے۔" اس نے دکھی لہجے میں کہا "وہ خبیث کالے کو بیچنے سے صاف انکار کر رہا تھا۔"

"تو کیا تو نے بزور اس سے کالے کو وصول کرنے کی کوشش کی تھی۔"

"میں احمق نہیں ہوں۔ میں نے اس سے صرف اتنا کہا تھا کہ کیا وہ کالے کو اپنے ساتھ قبر میں لے کر جائے گا اور جب پلٹ کر بھاگا تو۔"

"تو رخ غلط تھا۔ تو دیوار سے ٹکرایا یا پہلوان سے۔"

"اس کی ہیوی ویٹ بیوی سے۔" خلیل نے منہ بنایا "یہ نیل اس کے بخشے ہوئے ہیں۔"

خلیل نے یہ بتانے سے گریز کیا کہ نیل کیوں کر آئے تھے لیکن میں تصور میں دیکھ سکتا تھا کہ خلیل کتنی غلط جگہ جا کر ٹکرایا ہو گا۔

"تو نے مجھ سے جھوٹ بولا تھا۔" خلیل نے ملامت کرنے والے انداز میں کہا "زبانے کے ساتھ اب بھائی کو بھی دھوکا دینے لگا ہے۔"

میں شرمندہ ہوا "میں کیا کرتا۔ جب تو ٹلنے کے لیے تیار ہی نہیں تھا۔"

خلیل جو بغور مجھے دیکھ رہا تھا اچانک بولا "یہ تمہارے گال پر سرخی کیسی؟"

میرا ہاتھ بے اختیار چہرے پر گیا جہاں شنو کے لب لگے تھے اور اس کے ساتھ ہی میں غسل خانے کی طرف دوڑا۔

○☆○

میں فتو کے کیفے ڈی پھونس میں تھا جب میرے کان پیچھے موجود دو افراد کی باتوں پر کھڑے ہو گئے۔ وہ کسی موٹر سائیکل کا ذکر کر رہے تھے۔ ایک کہہ رہا تھا۔ "یار اب اس سے کیا کم کروں۔ بانوے کا ماڈل ہے۔ پندرہ ہزار میں تو سمجھو مفت ہے۔"

مگر دوسرا فریق متفق نہیں تھا۔ اسے پندرہ ہزار بہت لگ رہے تھے۔ "میں بارہ ہزار سے ایک پیسہ زیادہ نہیں دے سکتا۔"

وہ دونوں خاصی بلند آواز میں بات کر رہے تھے۔ پہلا بولا۔ "اگر اس کے کاغذات عدالت میں نہ ہوتے تو یہ پچیس ہزار سے کم میں نہ جاتی۔ سامنے کھڑی ہے۔ تم خود دیکھ لو اس کی کنڈیشن۔"

میں نے بے اختیار سر گھمایا۔ سامنے فٹ پاتھ پر ایک سیاہ رنگ کی چمکتی دمکتی سی ڈی سیونٹی کھڑی تھی۔ سیٹ، ٹائر اور کلر بہترین حالت میں تھے مجھے حیرت ہوئی کہ وہ احمق اسے پندرہ میں لینے کو تیار نہیں پھر مجھے پہلے والے کے الفاظ یاد آئے کہ موٹر سائیکل کے کاغذات عدالت میں تھے۔ گویا یہ کسی کی ضمانت کے سلسلے میں استعمال ہو رہی تھی اور از روئے قانون اس قسم کی گاڑیاں بیچی یا خریدی نہیں جا سکتی ہیں لیکن مجھے معلوم تھا کہ ایسی گاڑیاں بکتی رہتی تھیں۔ نیا مالک کاغذ کے اس پرزے کا مالک بن جاتا ہے جو عدالت گاڑی کے کاغذات کے بدلے جاری کرتی تھی۔ اس پر کسی کا نام نہیں لکھا ہوتا تھا اور اسے کوئی بھی شخص استعمال کر سکتا ہے۔ کاغذات عدالت میں ہونے سے بے شک گاڑی کی مارکیٹ ویلیو پر اثر پڑتا تھا، اس کی کارگزاری پر نہیں۔ دوسرے مجھے معلوم تھا کہ عدالتی عملے کو کچھ رقم کھلا کر میں یہ کاغذات نکلوا سکتا تھا۔ میری جگہ وہ کسی اور کی گاڑی کے کاغذات فائل میں لگا دیتے۔ بظاہر یہ ناقابل یقین لگتا ہے لیکن یہ ہوتا رہتا ہے۔ جج ظاہر ہے کہ ہر بار فائل نہیں پڑھتا اور نہ ہی کاغذات دیکھتا ہے اور دیکھتا بھی ہے تو یہ یاد رکھنا تقریباً ناممکن ہے کہ پچھلی بار فائل میں اسی گاڑی کے کاغذات لگے ہوئے تھے۔ ایک جج جو درجنوں مقدمات دیکھ رہا ہوتا ہے، اس کے لیے ہر مقدمے کی تفصیل یاد رکھنا اتنا ہی دشوار ہے، جتنا پولیس کے لیے رشوت نہ لینا۔ عدالتی عملہ

UrduPhoto.com

صفائی سے ایک ہی گاڑی کے کاغذات مختلف ضمانتوں میں استعمال کرتا رہتا تھا کیونکہ گاڑی والے خود بدعنوانی میں ملوث ہوتے تھے لہٰذا ان کے زبان کھولنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ مسئلہ اس وقت ہوتا تھا جب ضمانت پر رہا ہونے والا فرار ہوجاتا تھا اور عدالت کی طرف سے ضمانت میں رکھی گئی گاڑی ضبط کرنے کے احکامات صادر ہوتے تھے۔ اس موقع پر انکشاف ہوتا تھا کہ ضمانت کی فائل سے گاڑی کے کاغذات غائب ہوگئے ہیں اور کوئی ذمے داری قبول کرنے کو تیار نہیں ہوتا۔ یہ فائلیں دس پندرہ افراد کی رسائی میں ہوتی ہیں۔ ان میں کوئی بھی ہاتھ کی صفائی دکھا سکتا ہے اور ازروئے انصاف کسی ایک کے کیے کی سزا سب کو نہیں مل سکتی تھی حالانکہ عموماً سب ہی ملوث ہوتے تھے لہٰذا سب ایک دوسرے کی پردہ پوشی کرتے تھے۔ انکوائری ہوتی جس کی رپورٹ کچھ عرصے بعد ایسے ہی فائلوں میں دفن ہوکر رہ جاتی۔

میرے خیال میں یہ دونوں جس موٹر سائیکل کے بارے میں بات کررہے تھے، اس کے کاغذات بھی عدالت میں اسی بنا پر تھے اور کچھ دیر بعد میرے اندازے کی تصدیق ہوگئی۔ جب فریق ثانی سودا نہ ہوتے دیکھ کر وہاں سے اٹھ گیا تھا کیونکہ بائیک کا مالک پندرہ ہزار سے نیچے آنے کو تیار نہیں تھا۔ فریق ثانی کے دفع ہوتے ہی میں اس کی میز پر پہنچ گیا۔

"معاف کرنا بھائی۔" میں نے بیٹھتے ہوئے کہا "میں نے تم دونوں کی باتیں سن لی ہیں۔ یہ موٹر سائیکل کا کیا معاملہ ہے؟"

"اصل معاملہ تو رقم کا ہے جس کی مجھے اشد ضرورت ہے۔ میری بچی کا کل ہرنیے کا آپریشن ہے مگر مصیبت یہ ہے کہ میرے پاس رقم نہیں ہے اور بیچنے والی چیز یہ موٹر سائیکل ہے اور مسئلہ یہ ہے کہ اس کے کاغذات میرے سالے کی ضمانت کے سلسلے میں عدالت میں داخل ہیں۔ بازار کے جھگڑے میں اس نے ایک شخص کا سر پھاڑ دیا تھا۔ ضرب تو زوردار نہیں تھی مگر وہ خبیث دکھانے کے لیے مجذوب بن گیا۔ ان دنوں گول چوک پر بیٹھتا ہے اور خاصا کما رہا ہے۔ ملازمت سے الگ چھٹی ملی ہوئی ہے۔ سالے صاحب بھی آرام سے گھوم پھر رہے ہیں۔ مصیبت میں میں پڑ گیا ہوں۔"

"میں سمجھتا ہوں۔" میں نے سر ہلایا۔

"اب بتاؤ میں کیا کروں۔" موٹر سائیکل کے مالک نے روتے ہوئے کہا۔ اس نے اپنا نام عبدالقدوس بتایا تھا "لوگ میری مجبوری سمجھ رہے ہیں لہٰذا اس سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کررہے ہیں۔"

"دنیا بے حد کمینی ہوگئی ہے۔" یک لخت مجھ پر رقت طاری ہونے لگی۔ "میں تمہاری موٹر سائیکل خریدنے کو تیار ہوں۔ پندرہ ہزار میں۔ اس وقت میرے پاس نقد صرف دس ہزار ہیں۔ باقی کا بندوبست میں دو گھنٹے میں کرلوں گا لیکن ایک شرط ہوگی۔"

"شرط۔" اس کے چہرے پر بارہ بج گئے تھے۔ وہ مری ہوئی آواز میں بولا "میں کوئی رعایت نہیں دے سکوں گا۔ مجھے پندرہ ہزار ہی چاہئیں اور وہ بھی آج۔"

"میں رعایت نہیں مانگ رہا۔ صرف اتنا کہہ رہا ہوں کہ تم موٹر سائیکل باقاعدہ میرے نام کروگے۔"

"تو کر تو رہا ہوں۔" اس نے حیرت سے کہا۔

"ایسے نہیں۔ یہ تو جعلی کام ہوگا۔ بے شک ہم دونوں کی رضامندی سے سہی مگر قانون اسے نہیں مانے گا۔"

"ملکیت کی منتقلی کے لیے کاغذات درکار ہوں گے اور وہ..."

"انہیں عدالت سے لانا میرا کام ہے۔"

"تم عدالت سے کاغذات لے کر آؤ گے؟" وہ بھونچکا رہ گیا "وہ عدالت ہے کوئی۔"

"یار تم کاہے کو فکر کرتے ہو۔ کام تو میرا ہے۔ بس کاغذات لانے کی صورت میں تم بائیک میرے نام منتقل کردو گے۔"

بادلِ ناخواستہ اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ اس نے مجھے عدالتی رسید دکھائی جس کے مطابق اس کی موٹر سائیکل کے کاغذات دنگے فساد کے ایک ملزم کی ضمانت کے سلسلے میں رکھے ہوئے تھے۔ میں نے عبدالقدوس سے کہا۔

"تم یہاں بیٹھو اور میرے حساب میں جو چاہو کھاؤ پیو۔ میں دو گھنٹے کے اندر آتا ہوں۔"

جاتے ہوئے میں نے فتو کو اس کے بارے میں ہدایت دے دی تھی پھر میں گھر کی طرف دوڑا۔ میرا ذہن اس سے بھی زیادہ تیز رفتاری سے دوڑ رہا تھا۔ پندرہ ہزار کی موٹر سائیکل اور تین ہزار اوپر کے اخراجات یعنی کل ہوئے اٹھارہ ہزار۔ ایک بار یہ موٹر سائیکل میرے نام ہوجاتی تو میں کھڑے کھڑے پچیس ہزار میں بیچ سکتا تھا۔ تھوڑا انتظار کرتا تو زیادہ ہی مل جاتے۔ ممکن ہے خلیل ہی خرید لیتا۔ اسے کارخانے آنے جانے کے لیے بائیک کی ضرورت تھی۔ یوں گھر کی چیز گھر میں رہتی۔ مجھے پاگلوں کی طرح دوڑتے دیکھ کر

UrduPhoto.com

پہلے بچوں کا ایک گروہ اور پھر کتوں کا ایک ٹولا میرا ساتھ دینے پر آمادہ ہوا۔ دونوں کی اس علاقے میں کوئی کمی نہیں ہے بلکہ بچے کچھ زیادہ نظر آتے ہیں۔ دونوں کے ساتھ میں نے یکساں سلوک کیا اور دونوں فرار ہوگئے۔ گھر میں گھستے ہی میں نے خالہ لاؤڈ اسپیکر کے گھر کی دیوار کے ساتھ کھڑے ہوئے تین بار اس بلی کی سی آواز نکالی۔ جس کی دُم پر کسی ہاتھی نے پیر رکھ دیا ہو۔ یہ ایمرجنسی ملاقات کا سگنل تھا۔ شنو کا جواب آنے سے پہلے اماں کمرے سے نکل آئیں۔ ان کے ہاتھ میں جوتی کا میزائل بالکل تیار تھا۔ "کہاں ہے یہ منحوس بلی۔" انہوں نے چاروں طرف دیکھا۔

"خالہ کے ہاں۔" میں نے متانت سے کہا "ابھی وہاں سے آواز آئے گی۔"

"کچھ دیر بعد شنو نے جوابی میاؤں کی تو اماں نے جوش میں جوتی خالہ کے گھر اچھال دی۔ اس دفعہ شنو نے چیخ ماری۔ اپنی اصلی آواز میں۔ اماں پریشان ہوگئیں۔ انہوں نے جلدی سے تخت پر چڑھ کر خالہ کے ہاں جھانکا اور وہاں شنو کو دیکھ کر بوکھلا گئیں۔ میں مسکراتے ہوئے چھت کی طرف بڑھ گیا۔ مجھے معلوم تھا کہ شنو اماں سے نمٹ کر سیدھی وہیں آئے گی۔ خلافِ توقع وہ خاصی دیر سے آئی جب میرا پیمانۂ صبر لبریز ہونے والا تھا۔

"اتنی دیر کردی۔" میں نے برہمی سے کہا "جب کہ میں نے تجھے فوراً بلایا تھا۔"

"خالہ چھوڑتیں تو آتی۔ پہلے جوتی ماری اور پھر دیر تک تسلی دیتی رہیں۔"

"گویا مستقبل کی ساس بہو پریکٹس کررہی تھیں۔" میں نے قہقہہ مارا۔

"تو نے یہی کہنے کے لیے بلایا تھا۔" شنو نے مصنوعی خفگی سے کہا۔

"نہیں کہنا تو کچھ اور ہے لیکن پہلے وعدہ کر کہ میں جو مانگوں گا دے گی۔"

اس کا لال گلابی ہوتا رنگ بتا رہا تھا کہ وہ ممکنہ اشیا پر غور کررہی ہے جو میں اس سے مانگ سکتا ہوں۔ الو کی پٹھی' میں نے دل میں اسے خطاب دیا۔ یہ لڑکیاں ہم لڑکوں کو طوطا کیوں سمجھتی ہیں۔ صرف محبت بھرے ڈائیلاگ ہی دہراتے ہیں۔ شنو اب اپنے دوپٹے کا کونا مروڑ رہی تھی۔ "دیکھ جلیل میں وعدہ تو نہیں کرسکتی۔ مجھے شرم آرہی ہے۔"

"تو غلط سمجھ رہی ہے۔ میں تجھ سے کچھ اور مانگ رہا ہوں۔" میں نے اسے سمجھایا۔

"اس دفعہ اس کا رنگ حلوے جیسا زرد ہوگیا۔ "دیکھ جلیل میرے پاس رقم بالکل نہیں۔"

"شنو مجھے رقم نہیں چاہیے اور وہ چیز بھی میں صرف چند دن کے لیے ادھار لے رہا ہوں۔ زیادہ سے زیادہ ایک ہفتہ لگے گا مگر پہلے وعدہ کر تو انکار نہیں کرے گی۔"

"وعدہ۔" اس نے مرے مرے لہجے میں بادلِ ناخواستہ کہا۔

"شنو مجھے تیری بالیاں چاہئیں۔"

اس نے فوراً کان پر ہاتھ رکھا اور انکار کرنے جارہی تھی کہ اسے خیال آیا۔ وہ وعدہ کرچکی تھی۔ "تجھے بالیاں کیوں چاہئیں۔"

مجبوراً مجھے بتانا پڑا کہ میں ایک موٹر سائیکل خرید رہا ہوں۔ بہت سستی مل رہی ہے۔ میں ایک ہفتے کے اندر موٹر سائیکل بیچ کر بالیاں اسے واپس لادوں گا۔ وہ سہم کر بولی "تو یہ بالیاں بیچ دے گا' مجھے پہلے ہی معلوم۔۔۔"

"شنو الو کی پٹھی۔ مجھے دیر ہورہی ہے۔" میں نے چلا کر کہا "میں بالیاں بیچوں گا نہیں گروی رکھوں گا اور رسید بھی تجھے لاکر دوں گا۔ اگر تجھے میرا اعتبار نہیں تو رہنے دے۔"

میں بظاہر خفگی سے پلٹا اور توقع کے عین مطابق شنو نے دیوار سے لٹک کر میرا بازو پکڑلیا۔ دو منٹ اس کے منانے اور میرے منتے میں ضائع ہوئے اور پھر میں بالیاں لے کر نیچے کی طرف لپکا۔ بالیاں' دس ہزار روپے اور بالیوں کی رسید جیب میں ڈال کر میں اس مجرم کی طرح فتو کے کیفے ڈی پھوٹس پہنچا جسے سزائے موت سنائی جاچکی ہو اور قسمت سے اسے فرار ہونے کا موقع مل گیا ہو۔ یہ دیکھ کر میری جان میں جان آئی کہ وہ وہیں موجود تھا ورنہ میں ڈھائی گھنٹے بعد آیا تھا۔ اس کی بھی مجبوری تھی۔ مجھے دیکھ کر وہ مارے مسرت کے اچھل پڑا "آگئے تم' میں تو سوچ رہا تھا۔"

"ہوئی تاخیر تو کچھ باعثِ تاخیر بھی تھا۔" میں نے کہا "اب فوراً اٹھو۔"

اس کی موٹر سائیکل پر ہم پرانے صدر کی ایک تنگ و تاریک بلڈنگ تک پہنچے۔ اسے نیچے انتظار کرنے کو کہہ کر میں دوسری منزل تک پہنچا اور فلیٹ نمبر چار کا بٹن دبایا۔ اتفاق سے عمارت میں کل چار ہی فلیٹ تھے۔

"کون ہے بے؟" بیل کے جواب میں اندر سے کوئی مرگھنے بیل کی طرح ڈکرایا۔

"پولیس' دروازہ کھولو۔" میں نے آواز بدل کر کہا۔

"پولیس۔" بیل کی طرح ڈکرانے والا یک دم بچھڑے کی

FreePhotoPhoto.com

طرح منمنانے لگا تھا۔ اندر سے کچھ گرنے کی آواز آئی۔ غالباً وہ عجلت میں دروازہ کھولنے دوڑا تھا۔ ہماری پولیس کا کچھ پتا نہیں۔ وہ دروازہ توڑ کر بھی اندر جاسکتے تھے۔ چانڈی نے ہانپتے کانپتے بولٹ کھولا اور پھر جو اس کے منہ سے نازیبا اور ناگفتنی کلمات کا فوارہ نکلا تو ہنستے ہنستے میرا برا حال ہوگیا۔ حتیٰ کہ برابر والے فلیٹ سے ایک اینگلو پاکستانی حسینہ نے جھانکا۔ جس کے مختصر سے بلاؤز کا گریبان سیاست دانوں کے ظرف سے زیادہ کشادہ تھا اور سرکشی پر آمادہ اسکرٹ پیروں پر چڑھنے کی کوشش کررہا تھا۔ اس نے نہایت بے حیائی سے مجھے اندر آنے کی دعوت دی کہ میں نے بڈھے کا فلیٹ کھٹکھٹا کر غلطی کی تھی اور اب مجھے اس غلطی کی تصحیح کرلینی چاہیے۔ چچا کی گالیوں کا رخ پڑوسی حسینہ کی طرف مڑگیا۔ اس نے نہایت ناقابلِ اعتراض الفاظ میں حسینہ کے پیشے اور اس کے خاندان کے بارے میں ناقابلِ اشاعت انکشافات کیے تھے۔ تنگ مزاج حسینہ نے جوابی کارروائی میں نہایت مردانہ قسم کی گالیوں کا آزادانہ استعمال کرتے ہوئے چچا اور اس کے خاندان کے بارے میں جوابی انکشاف کیے جو ظاہر ہے' سب کے سب ناقابلِ تحریر ہیں۔ دونوں پڑوسیوں کی دشمنی پاک بھارت دشمنی کی طرح خاصی پرانی لگتی تھی اور میرا اندازہ تھا کہ سرحد پر آئے دن چھڑپیں ہوتی ہوں گی جن سے باقی دو فلیٹوں کے مکین بلا معاوضہ لطف اندوز ہوتے ہوں گے۔

"اندر چلو۔" میں چچا کو دھکیل کر اندر لے گیا کیونکہ دونوں میں سے کوئی پسپائی اختیار کرنے کو تیار نہیں تھا۔

"جلیل تو مجھے اندر لے آیا۔" چچا مزید ہانپتے ہوئے بولا "ورنہ اس حرافہ کے پورے..."

"چچا۔" میں نے ذرا سخت لہجے میں کہا "پہلی بات تو یہ ہے کہ مجھے تمہاری پڑوسن سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ دوسرے میرے پاس وقت بہت کم ہے۔ میں نیچے ایک بندے کو کھڑا کرکے آیا ہوں۔ تیسرے یہ کہ وہ صرف عورت ہے اور اس کے پاس کمانے کا ایک یہی طریقہ ہے' میں اور تم مرد ہیں اور ہمارے حرام کھانے کا کوئی جواز نہیں ہے۔ چوتھے میں اصلاحِ احوال کے موڈ میں نہیں ہوں لہٰذا کام کی بات ہوجائے۔ ذرا اپنے کمرا خاص میں چلو۔"

چانڈی صرف دکھاوے کا شیر تھا۔ ورنہ اندر سے اس کے پاس کیدر کا دل تھا۔ جبھی پولیس کا نام سن کر اس کی ہوا خراب ہوگئی تھی۔ وہ ایک زمانے میں اعلیٰ درجے کا نوسرباز تھا اور میں نے اس سے بھی بعض گُر سیکھے تھے۔ ان دنوں وہ قیمتی اشیا گروی رکھنے کا کاروبار کررہا تھا۔ اس کے خاص کمرے میں پہنچ کر میں نے اسے بالیاں اور ان کی رسید نکال کر دکھائیں۔ اس نے پہلے بالیاں دیکھیں' رسید کی اس شخص کی نظر میں کوئی وقعت نہیں تھی۔ ایسی رسید وہ خود تیار کرسکتا تھا۔ "مال کھرا ہے۔" اس نے بالیاں چیک کیں "کل قیمت آٹھ ہزار دو سو روپے۔ پچاس فیصد کے حساب سے چار ہزار ایک سو دوں گا۔ ماہانہ پانچ فیصد سود لگے گا۔ چیز کی مالیت پر۔"

"چانڈی تم سخت بنیے قسم کے شخص ہو۔ پرانی دوستی کا لحاظ بھی نہیں کرتے۔ مجھے پورے پانچ ہزار چاہئیں۔ سود وود میں نہیں دوں گا اور ایک ہفتے بعد آکر بالیاں لے جاؤں گا ورنہ آٹھویں دن بالیاں تمہاری۔"

"سنو جلیل میاں' میں یہاں کاروبار کرنے بیٹھا ہوں۔ پرانی دوستیاں نبھانے نہیں۔" اس نے بے مروتی سے بالیاں میری طرف کھسکا دیں۔ میں نے بالیاں اٹھانے کے بجائے سگریٹ نکال کر سلگائی

"چچا تمہیں یاد ہے نا' شاداب جیولرز کے ہاں پڑنے والا ڈاکا۔"

"کیا۔ کیا مطلب۔" چچا ہکلایا۔ اس کے لہجے کی خشکی ختم ہوگئی تھی اور چہرے کی رنگت میں مزید سیاہی آگئی تھی۔

"بے چارے جیولرز کا پورے دس لاکھ کا سونا' زیورات اور جواہرات غائب ہوگئے تھے اور پولیس آج تک پتا نہیں چلا سکی کہ سونے کو زمین کھاگئی یا آسمان نگل گیا۔ ویسے جیولرز نے دو لاکھ کے انعام کا اعلان کیا تھا۔ یعنی کل مالیت کا بیس فیصد اور میرا خیال ہے دو سال گزر جانے کے بعد بھی پولیس کی اس معاملے میں دلچسپی کم نہیں ہوئی ہوگی۔"

"جلیل کمینے تو کہنا کیا چاہ رہا ہے؟" چچا کی آواز بیٹھ گئی تھی اور جب کانپتی ٹانگوں نے مزید ساتھ دینے سے انکار کیا تو وہ خود بھی بیٹھ گیا۔

"وہی جو تم سمجھ رہے ہو۔" میں نے پانی کا گلاس اسے پیش کیا "کیا خیال ہے' پانچ ہزار بُرے تو نہیں ہیں۔ آٹھ ہزار کے سونے کے بدلے۔"

"ہا۔" اس نے مرنے والے بکرے جیسی آواز نکالی۔ "مجھے معلوم ہے۔ ابھی اسے بیچنے جاؤ تو کوئی پانچ ہزار کا بھی نہیں لے گا۔"

"چچا سوچ لو۔ میں یہاں سے رقم لیے بغیر گیا تو میرا ایک سودا ٹوٹ جائے گا۔ خاصا نقصان ہوگا۔ جسے برداشت نہ کرتے ہوئے میں کوئی الٹی سیدھی حرکت کرجاؤں گا۔ مثلاً تھانے ایک فون' تو مجھے کچھ مت کہنا۔"

"جلیل تو اپنی برادری کے بندے کو بلیک میل کررہا

UrduPhoto.com

ہے۔ لگتا ہے تیرے دن پورے ہو گئے ہیں۔"

"بڑی جلدی یاد آگئی برادری۔" میں نے استہزائیہ لہجے میں کہا "یہ برادری کا خیال نہیں تو اور کیا ہے کہ میں جانتے بوجھتے دو لاکھ روپے حاصل نہیں کر رہا۔ یقین کرو تم ایک رات بھی تھانے میں نہیں گزار سکو گے اور صبح تک سب فرفر بتا چکے ہو گے اور مجھے برادری کی دھمکی مت دو۔ دو لاکھ روپے لے کر میں کہیں بھی جا سکتا ہوں۔ چیچوں کی ملیاں بھی اور ٹمبکٹو بھی۔"

چاچا ٹیڈی نے ایک بار پھر گالیوں کا آموختہ دُہرایا جو اسے غالباً ماں کی گود میں یاد ہو گیا تھا۔ دروغ بہ گردن راوی۔ سنا ہے کہ چاچا ایک زوردار کوٹھے والی کا اکلوتا بیٹا تھا۔ اس کی پانچ بہنیں تھیں۔ سب کے باپ الگ الگ تھے۔ اس نے جس ماحول میں پرورش پائی اس کا اخلاق، کردار اور زبان سب کوٹھے والی ہو گئی تھی۔ اگر وہ جعلساز نہ بنتا تو نہایت کامیاب دلال ضرور بن سکتا تھا۔ اب تو اس کی بہنوں کی بیٹیاں بھی میدان میں آگئی تھیں۔ چاچا کو گالیوں کے بعد بالآخر پانچ ہزار دینے ہی پڑے۔ بالیاں اس نے ایک بار پھر چیک کی تھیں۔ میں نے اسے خبردار کرنا مناسب سمجھا۔

"چاچا سونے کی پہچان مجھے بھی ہے۔ کہیں تم ہاتھ کی صفائی دکھانے کا ارادہ رکھتے ہو تو اسے فوراً ترک کر دو۔"

جب میں رخصت ہوا تو بڑھاپے سے زیادہ چاچا طیش کے مارے کانپ رہا تھا۔ میرے باہر نکلتے ہی حسینہ پڑوسن نے سر دروازے سے نکالا۔

"اگر بڈھے سے سودا نہ ہوا ہو تو ادھر آجاؤ۔" اس نے مسکرا کر دعوت دی اور ساتھ ہی چاچا کے خاندان کی خواتین کے بارے میں نہایت بے ہودہ بات کہی۔ مرد ہونے کے باوجود مجھے اپنے کان سرخ ہوتے محسوس ہوئے۔ اسی اثنا میں چاچا باہر نکل آیا تھا۔ اس نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ میں موقع غنیمت جان کر انہیں الجھا ہوا چھوڑ کر بھاگ نکلا۔ نیچے عبدالقدوس بے چینی سے میرا منتظر تھا۔

"نکل چلو۔" میں نے اس سے کہا۔

ہم دونوں ایک سستے سے وکیل کے پاس پہنچے۔ فروخت و خرید کی ساری کارروائی اس کے سامنے ہوئی۔ میں نے مناسب سمجھا کہ اس بات کا ایک گواہ پیدا کر لوں۔ وکیل نے عدالتی تحویل میں موجود چیز کی فروخت پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔ اسے صرف اپنی فیس سے غرض تھی۔ باہر نکل کر اس نے بائیک کی چابی مجھے تھمائی اور خود قریب سے گزرتی بس میں سوار ہو گیا۔ میں نے چابیاں چوم کر بائیک میں لگائیں اور اسے بحرِ ظلمات کے گھوڑے کی طرح دوڑاتا گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔ مسرت کا نشہ اس وقت ہرن ہو گیا جب عین فتو کے ڈی پھونس کے سامنے حوالدار نادر شاہ نے مجھے روک لیا۔ اس نے معنی خیز انداز میں پوچھا۔

"کہاں سے تشریف لا رہی ہے سواری؟"

"صدر سے۔" میں نے متانت سے کہا "آپ نے شاید مجھے پہچانا نہیں نادر صاحب۔"

وہ پھر معنی خیز انداز میں مسکرایا "میں نے تمہیں بھی پہچان لیا ہے اور برخوردار مجھے یہ موٹر سائیکل بھی کچھ جانی پہچانی لگ رہی ہے۔ ذرا اس کے کاغذات تو دکھانا۔"

"کاغذات۔" پہلی بار مجھے معاملے کی سنگینی کا احساس ہوا "لک کاغذات تو میرے پاس نہیں ہیں۔" میں ہکلایا۔

"اچھا۔" اس نے مصنوعی افسوس سے کہا "یہ تو معاملہ گڑبڑ ہے۔ بالکل فلم کی طرح۔ میرا خیال ہے ذرا تھانے چل کر چیک کرنا پڑے گا۔"

"تھانے۔" ہر شریف آدمی کی طرح جس نے کچھ نہ کیا ہو، تھانے کا سن کر میرا خون خشک ہونے لگا "مگر میرا قصور انسپکٹر صاحب۔" میں نے اس کے عہدے میں زیادتی کرتے ہوئے فریاد کی۔

"مجھے دیکھنا ہو گا کہ یہ موٹر سائیکل چوری کی تو نہیں ہے۔"

"چوری۔" میں نے چلا کر کہا "میں ابھی اسے خرید کر لا رہا ہوں۔"

"کس سے، سیل ڈیڈ ہے تمہارے پاس؟" اس نے پوچھا۔

میں نے اسے سیل ڈیڈ پیش کیا۔ وہ پھر عیاری سے مسکرایا "تو جناب جلیل الزماں صاحب، اب اس کے کاغذات بھی پیش کر دیجئے۔"

"میں نے کہا نا کاغذات میرے پاس نہیں ہیں۔" میں بولا "کاغذات وہ مجھے بعد میں دے گا۔"

"کون؟"

"عبدالقدوس اور کون۔"

"یہ بزرگوار کون ہیں؟"

میں نے بتایا کہ میں اس سے اسی کیفے ڈی پھونس میں ملا تھا۔ تو وہ ہنستے ہنستے دُہرا ہو گیا۔ اگرچہ اس کی توند کے ساتھ یہ ناممکن سی بات لگتی تھی لیکن سچ تھا۔ سیدھا ہو کر اس نے کہا "اب تو تھانے جانا اور ضروری ہو گیا ہے۔ وہاں جا کر پتا چلے گا کہ تمہارے سر کون یہ موٹر سائیکل منڈھ گیا۔ چلو ذرا تھانے

UrduPhoto.com

راستہ تو معلوم ہے نا۔"

میں جو کچھ دیر پہلے مسرت کے جھولے میں خاصا بلندی پر اُڑ رہا تھا، یک دم اوپر سے یوں نیچے آگرا تھا جیسے پھسل منڈے سے بچے پھسل کر نیچے آتے ہیں۔ بادلِ ناخواستہ میں نے تھانے جانے پر آمادگی ظاہر کی۔ جیسے سرِراہ کوئی شریف صورت شخص اچانک جیب سے پستول نکال لے اور آپ سے درخواست کرے کہ حضور جو کچھ جیب میں ہے، عنایت کیجئے تو ظاہر ہے آپ انکار تو نہیں کرسکتے۔ کچھ ایسا ہی معاملہ پولیس کے ساتھ بھی ہے۔ جب میں اس دو سو پاؤنڈ وزنی حوالدار کو اٹھائے تھانے میں داخل ہوا تو رات کے دس بج رہے تھے اور غالباً میری صورت پر بارہ۔

نادر شاہ مجھے سیدھا ریکارڈ روم میں لے گیا۔ جہاں ایک مظلوم صورت کلرک عقبی حصے سے آتی مار دھاڑ اور چیخ وپکار کی آواز سے بے نیاز یوں سو رہا تھا جیسے چوکیداری پر مامور حرام خور کتا، گھر والوں کے سوتے ہی خود بھی سوجاتا ہو۔ نادر شاہ نے اس کا شجرۂ نسب غلط سلط کرتے ہوئے اسے جگایا اور اسے ایک عقل مند جانور کا لائق سپوت قرار دے کر حکم دیا کہ گمشدہ یا چوری ہوجانے والی موٹر سائیکلوں کی فائل نکالے۔ اس نے گالیاں یوں سنیں جیسے اپنی تعریف سن رہا ہو اور سلوموشن میں فائلیں کھنگالنے لگا۔ نادر شاہ مجھے باہر لایا اور مسکراتے ہوئے بولا "دعا کرنا کہ موٹر سائیکل کا نمبر فائل میں نہ ہو۔"

خود میرا اندر سے بُرا حال تھا لیکن میں پھانسی کے تختے پر جانے والے کی طرح مسکرا رہا تھا۔ ایک گھنٹے بعد ریکارڈ روم کے کلرک نے آکر نادر شاہ کو سیلوٹ جھاڑا "شاہ جی، موٹر سائیکل کا نمبر چوری ہونے والی فائل میں تو نہیں ملا لیکن۔۔۔"

"لیکن کیا؟" میں نے پوچھا۔

"یہ موٹر سائیکل تو عدالتی تحویل میں ہے۔ ضمانت پر رہا ہونے والا بھاگ گیا اور عدالت نے موٹر سائیکل ضبط کرنے کا حکم دیا تھا۔ یہ رہے عدالتی احکامات۔ کیس ہمارے تھانے کا ہی ہے۔"

"یہ غلط ہے۔" میں چلایا "عبدالقدوس کا سالا فرار نہیں ہوا۔"

"کون عبدالقدوس۔" نادر شاہ نے پھرتی سے لات گھمائی اور میں تربوز کی طرح چیخ مار کر لڑھک گیا۔ اس نے مجھے بتایا کہ میں کتنے سنگین جرم کا مرتکب ہوا تھا اور مجھ پر تعزیراتِ پاکستان کی کون کون سی زیرِ دفعہ کے تحت مقدمات بن سکتے تھے۔ جن میں مجموعی طور پر مجھے اتنی سزا ہوتی کہ جب میں باہر آتا تو میرے بال سفید ہوچکے ہوتے۔ حقیقت تو یہ تھی کہ نادر شاہ کا خون سفید ہوگیا تھا۔ میں اس کا پڑوسی تھا۔ وہ شنو کے بعد دو گھر چھوڑ کر رہتا تھا۔ اس کے اشارے بے حد واضح تھے کہ میں چاہوں تو پرچا کٹنے سے پہلے معاملہ طے ہوسکتا ہے اور میں مرتا کیا نہ کرتا۔ اس کی بات ماننے پر مجبور تھا لیکن میں نے اسے بتادیا کہ وہ مجھ سے کوئی امید نہ رکھے۔ میں موٹر سائیکل خریدنے کے لیے اپنی ماں کی سونے کی بالیاں گروی رکھ کر رقم لایا تھا۔ بالیوں کے ذکر پر نادر شاہ چونکا۔

"گروی کی رسید کہاں ہے؟" اس نے پوچھا۔

بادلِ ناخواستہ میں نے رسید نکال کر اسے دی۔ نادر شاہ نے اس کا معائنہ کیا اور اپنی جیب میں رکھ لیا۔ اس کے بعد مذاکرات کا ایک طویل دور شروع ہوا۔ جو رات دو بجے تک جاری رہا۔ میں اس معاملے سے جان چھڑانے کے لیے کوشاں تھا اور نادر شاہ مجھے نچوڑنے کے لیے۔ یہ تو مجھے بھی معلوم ہوگیا تھا کہ وہ پرچا وغیرہ کاٹنے کے موڈ میں نہیں ہے لیکن وہ رات بھر تھانے کے خاص کمرے میں میری میزبانی پر کمربستہ ہوجاتا تو میں اسے کیسے روکتا۔ بالآخر طے ہوا کہ میں موٹر سائیکل کو بھول جاؤں۔ بالیوں کی رسید بھی بھول جاؤں اور مجھے اگلے ایک مہینے کے اندر نادر شاہ کو مزید دو ہزار روپے دینے تھے۔ صبح کے قریب میں تھانے سے نکلا تو میری حالت اس جواری کی سی ہورہی تھی جو اپنا سب کچھ ہار کر جارہا ہو۔

○☆○

راجا دم بخود سا میری عبرت انگیز داستان سن رہا تھا۔ مجھے مجموعی طور پر بیس ہزار کا نقصان ہوا تھا۔ سب سے بڑھ کر میں شنو کو منہ دکھانے کے لائق نہیں رہا تھا لیکن ابھی گردشِ ایام کا کچھ حصہ باقی تھا۔ جیسے بعض ڈرامے خبرنامے کے بعد تک چلتے رہتے ہیں۔ تین دن بعد میں شنو سے ملنے اور اسے سب کچھ بتانے کی ہمت مجتمع کرسکا لیکن مجھے سو فی صد یقین تھا کہ وہ میری بات پر ایک فی صد بھی یقین نہیں کرے گی۔ میرا سابق ریکارڈ بے حد خراب تھا۔ میں چھت پر شنو سے ملا۔ جو روز بہ روز خطرناک حد تک حسین ہوتی جارہی تھی اور مجھے خطرہ محسوس ہونے لگا تھا کہ کہیں کوئی اچھا رشتہ آگیا تو خالہ ہاں کرنے میں دیر نہیں لگائیں گی۔ ویسے بھی ان کی خواہش تھی کہ داماد کسٹم میں چپڑاسی نہ ہو تو انکم ٹیکس میں کلرک ضرور ہو۔ حسبِ معمول کچھ دیر کے لیے میں شنو کو دیکھ کر اس کمینی دنیا کے زخموں کو بھول گیا پھر مجھے یاد آیا تو میرا دل ڈوبنے لگا۔ موجودہ حالات میں خالہ تو مجھے بعد میں

سترد کرتیں۔ خود شنو مجھے لات مار کر مجنوں کی پوسٹ سے فارغ کردیتی۔ اس کے لیے امیدواروں کی کمی نہیں تھی۔

"شنو۔" بالآخر میں نے کہا "مجھ سے ایک بڑی غلطی ہوگئی ہے۔"

خلافِ معمول شنو نے سپاٹ سی آواز میں پوچھا "کیسی غلطی؟"

اس پر میں نے شروع سے لے کر آخر تک اسے سب بتا دیا "شنو میں بے حد شرمندہ ہوں لیکن یقین رکھ کہ میں وہ بالیاں کہیں سے بھی تجھے لاکر دوں گا۔"

"وہ بالیاں اب تیرا باپ بھی نہیں لاسکتا۔ بے شک قبر سے نکل آئے۔" شنو نے اسی سکون سے کہا۔

"یہ کیا بکواس ہے۔ تو میرے باپ کو کیوں درمیان میں لا رہی ہے۔" میں برہمی سے بولا۔

"جلیل کہیں کے۔" اس دفعہ شنو کا صبر جواب دے گیا "میں نے وہ بالیاں عارفہ کے کانوں میں دیکھی ہیں۔"

"وہ عارفہ۔" مجھ پر بجلی سی گری "نادر شاہ کی بیٹی۔"

"محلے میں اور کتنی عارفائیں ہیں۔" شنو نے رونا شروع کردیا "تو نے میرے ساتھ دھوکا کرنا تھا تو مجھے وہ بالیاں لاکر دینے کی کیا ضرورت تھی۔ جلیل تو کمینہ ہی نہیں دھوکے باز بھی ہے پہلے ہی لے جاکر پہنا دیتا، اس چڑیل کو۔"

ظاہر ہے میری تمام دلیلیں روتی شنو پر اتنی ہی بے اثر تھیں جتنی جرائم کی خبریں عام لوگوں پر۔ اس نے میری ایک نہ سنی اور مجھے بے نقط سنا کر رخصت ہوگئی۔ مشتعل ہو کر میں چچا نیڈی کے فلیٹ پہنچا۔ حسبِ معمول اس کی بیل بجانے پر پڑوسن حسینہ نے دروازہ کھولا اور مجھے دیکھ کر مونالیزا کی طرح مسکرائی لیکن میں اس کی مسکراہٹ سے محظوظ ہونے کے موڈ میں نہیں تھا۔ لہٰذا میں نے دوبارہ بیل کے بٹن پر انگلی رکھ دی۔

"بیکار ہے۔" پڑوسن حسینہ نے سر ہلایا "بڈھا کہیں دفع ہوگیا ہے۔"

"کیا مطلب؟" میں نے بٹن پر سے انگلی ہٹائی۔

جواب دینے سے پہلے پڑوسن حسینہ نے دروازے سے نکل کر خود کو میرے لیے تفصیلی ملاحظے کے لیے پیش کیا۔ نہایت قابلِ اعتراض لباس میں اور اس سے بھی زیادہ قابلِ اعتراض پوز بنا کر اس نے بتانا شروع کیا "جس دن تم آئے تھے۔ اس سے اگلے دن دو پولیس والے آئے۔ ایک نہایت موٹا اور پستہ قد تھا۔ دوسرا بے حد دبلا اور لمبا سا تھا۔ تھینک گاڈ، اگر میں غلطی سے باہر نکل آتی تو وہ بڈھے کے بجائے مجھے لے جاتے۔ سرِعام فحاشی پھیلانے کے الزام میں۔"

میں نے اسے بتانا مناسب نہ سمجھا کہ اس وقت بھی وہ کچھ ایسا ہی سنسنی خیز کام کررہی ہے۔ پولیس والوں کے حلیے سے میں سمجھ گیا تھا کہ وہ نادر شاہ اور اس کا دکھی صورت والا ریکارڈ کلرک تھا "پھر تم نے انہیں کیسے دیکھ لیا؟" میں نے پوچھنا ضروری سمجھا۔

"اس سوراخ سے۔" اس نے اپنے دروازے کی طرف اشارہ کیا "آدھے گھنٹے تک بڈھے کے فلیٹ سے الٹنے پلٹنے کی آوازیں آتی رہیں اور وہ خود ایسے چلّا رہا تھا۔ جیسے عالمِ نزع میں ہو لیکن جب پولیس والے اسے لے کر رخصت ہوئے تو وہ ایک دم ٹھیک ٹھاک نظر آرہا تھا۔ شام کو وہ واپس آیا تو اس کی حالت بیمار کتے سے بھی زیادہ خراب تھی۔ اس نے اپنا سامان سمیٹا اور افراتفری میں یہاں سے بھاگ گیا۔"

"چلو تمہاری جان چھوٹی۔" میں نے بے خیالی میں کہا۔ شنو کے آگے صفائی کا میرا ایک ہی گواہ تھا اور اب وہ بھی بھاگ گیا تھا۔ مجھے پورا یقین ہے کہ نادر شاہ نے اسے کوئی ایسی دھمکی دی ہوگی... جس کے بعد اس کا فرار ہونا برحق تھا۔ میں اسے تلاش کرلوں گا مگر فی الوقت مسئلہ شنو کو مطمئن کرنے کا تھا۔ جب پڑوسن حسینہ نے دال گلتی نہ دیکھی تو مجھے وہی کچھ کہہ کر دروازہ بند کرلیا جو وہ اس دن چچا نیڈی سے کہہ رہی تھی۔ میں شکست خوردہ واپس لوٹ آیا۔

راجا جو میری داستانِ الم سنتے ہوئے میز کو تین تال کے طبلے میں بجا رہا تھا۔ بولا "جلیل تو گدھا ہی نہیں احمق بھی ہے۔"

"مجھے تسلیم ہے۔" میں نے اعتراف کیا "تو چاہے تو مجھے احمق، بے وقوف اور عقل سے پیدل بھی کہہ سکتا ہے۔"

"تو سمجھا نہیں۔ موٹر سائیکل والے معاملے میں تو نے وہی کیا جو کوئی دوسرا کرتا۔ پچیس ہزار کی چیز پندرہ ہزار میں مل رہی ہو تو کون چھوڑتا ہے۔ مجھے شبہ ہے یہ سارا چکر ہی فراڈ ہے۔"

"تو اور کیا بکواس کررہا ہوں۔" میں نے بھنا کر کہا "اس خبیث عبدالقدوس نے میرے ساتھ فراڈ ہی تو کیا ہے۔ مجھے ضبط شدہ موٹر سائیکل بیچ گیا۔"

راجا نے سر پکڑ لیا..... "جلیل کیا شنو نے تجھے عقل سے بالکل ہی محروم کردیا ہے۔ تجھے احساس ہی نہیں ہوا کہ وہ سب اس فراڈ میں شامل ہیں۔ نادر شاہ اور اس کا بانس میرا

UrduPhoto.com

مطلب ہے ساتھی۔"

مجھ پر بجلی سی گری۔ جیسے کے ای ایس سی والے اپنے صارفین پر بلوں کی بجلی گراتے رہتے ہیں۔ صدمے سے میرا دل بند ہونے لگا تھا۔ جو بات میں پورے معاملے میں شروع سے لے کر آخر تک شامل رہ کر نہیں سمجھ سکا تھا، وہ راجا نے محض سن کر سمجھ لی تھی۔ میں نے درمیان کی میز کو نظر انداز کر کے عقل کے اس اولیں بے نظیر مظاہرے پر راجا کو گلے لگانے کی کوشش کی اور نتیجے میں چائے کا کپ نیچے گر کر کسی عاشق کے دل کی طرح متعدد حصوں میں تقسیم ہو گیا۔ جب نظر نواز حسیناؤں کی تعداد ایک سے بڑھ جائے تو ریاضی کے قواعد کی رو سے دل کے ٹکڑے کرنا لازمی ہو جاتے ہیں ورنہ خود عاشق نامدار کے ٹکڑے ہونے کا امکان ہوتا ہے۔ کپ کے ٹوٹتے ہی ناک سے بُل فائٹنگ والے بھینسے کی سی آوازیں نکالتا فتو ہماری طرف لپکا مگر کپ کی قیمت اور مزید دو کڑک کا آرڈر لیتے ہی یوں واپس چلا گیا جیسے مالک پر جھپٹنے والا کتا بالآخر شرمندہ ہو کر واپس جاتا ہے۔

"اب تو نادر شاہ کا قتل مزید ضروری ہو گیا ہے۔" میں نے میز پر مکا مارا۔

"جلیل بدبخت، تو مجھے بھی تباہ کروائے گا۔ جیسے نادر شاہ درانی نے دلی کے ساتھ ہندوستان کو بھی تباہ کیا تھا۔"

"اور تجھے میرا ساتھ دینا ہوگا۔" میں نے اس کی بات نظر انداز کی۔ جیسے حکومت اپوزیشن کی ایک نہیں سنتی۔

"پھانسی کے تختے پر۔" راجا رو دینے والے لہجے میں بولا "ہم دونوں کی گردنیں ایک ہی پھندے میں ڈالی جائیں گی اور دفن بھی ایک ہی قبر میں کیا جائے گا۔"

پھانسی پر مجھے یاد آیا کہ ابھی مجھے شنو کو بھی منانا تھا پھر اس سے شادی۔ بچے اور آگے کا پروگرام خاصا طویل تھا۔ پھانسی کی صورت میں یہ سارا پروگرام دھرا رہ جاتا۔ میں نے سوچ کر کہا "چل ہم اسے قتل نہیں کریں گے لیکن اس سے بدلہ تو لینا ہے ورنہ سوچ میں شنو کو کیا منہ دکھاؤں گا۔"

"یہی۔" راجا نے روانی میں کہا "آخر وہ اسی منہ پر تو مرتی ہے۔"

اب انتقام کے دیگر طریقوں پر علاوہ خون و کشت کے غور شروع ہوا۔ میں نے نادر شاہ کے اغوا کی تجویز پیش کی۔ جسے راجا نے مسترد کر دیا کہ ہم اسے رکھیں گے کہاں اور ممکن ہے کہ ہم اسے اغوا کرنے جائیں اور وہ ہمیں اغوا کر کے تھانے لے جائے۔ جہاں سے ہماری صحیح سلامت واپسی بلکہ واپسی بھی مشکوک تھی۔ اس کے بجائے راجا کے خیال میں عارفہ کا اغوا زیادہ مناسب رہے گا۔ میں نے لرز کر یہ تجویز فوراً مسترد کر دی اس لیے نہیں کہ عارفہ ایک جلاد صفت حوالدار کی دختر اختر تھی۔ وہ خود بہ رضا و رغبت اغوا ہونے کو تیار ہو جاتی۔ مسئلہ یہ تھا کہ میں شنو جیسی حسینہ کا کچا منگیتر تھا اور فی الوقت تو منگنی سے بھی عاق تھا۔ اسے خبر ہو جاتی تو میرا رہا سہا مستقبل بھی تباہ ہو جاتا پھر راجا نے تجویز پیش کی کہ نادر شاہ کی سرکاری بائیک کے بریک بھی فیل ہو سکتے ہیں۔ وہ مرا نہ بھی تو ہڈیاں پسلیاں تو ضرور برابر ہو جائیں گی مگر یہ تجویز بھی خطرناک ہونے کے باعث ویٹو کر دی۔

"پھر تو کیا چاہتا ہے۔ ذلیل!" راجا بھنا کر بولا۔

"میرے بیس ہزار روپے۔" میں نے رقت آمیز لہجے میں کہا "شنو کو بالیاں نہ ملیں تو سمجھ لے میرا مستقبل تیری صورت سے زیادہ خراب ہو جائے گا۔"

"میری صورت کو کیوں الزام دیتا ہے۔" راجا خفا ہو گیا لیکن کڑک چائے کا پہلا گھونٹ لیتے ہی اس کا موڈ ٹھیک ہو گیا۔

اس کے بعد غالباً وہ مراقبے میں چلا گیا اور چند لمحے بعد نعرہ مار کر اچھلا۔ اس نے جوش و خروش سے بقیہ چائے یوں اپنے معدے میں انڈیلی... جیسے چائے پینے کے کسی مقابلے میں حصہ لے رہا ہو۔ کپ پٹخ کر اس نے مجھ سے کہا۔

"تو چاہتا ہے نا کہ تجھے تیری رقم بھی مل جائے اور نادر شاہ کو اس کے کیے کی سزا بھی۔"

"ظاہر ہے۔"

"تب یہاں سے اٹھ۔ ویسے تو شاید یہاں صور اسرافیل بھی صحیح نہ سنائی دے مگر کسی نے ہماری باتیں سن لیں تو لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔" راجا نے مجھے کھینچ کر اٹھایا۔ میں اسے اپنے گھر لے گیا۔ چھت پر کبوتروں کے پنجروں کے درمیان اور ان کی بیٹ سے مہکتی فضا میں راجا نے مجھے ایک منصوبہ پیش کیا۔ جو بیک وقت خطرناک بھی تھا اور قابل عمل بھی۔ بس یوں سمجھ لیجئے کہ شیر کی کچھار کے سامنے مچان باندھ کر اس کا شکار کرنے کے برابر تھا۔ ممکن ہے کہ شیر آپ کو مچان باندھنے سے پہلے تناول فرما لے۔ اس میں راجا اور میرا کردار بنیادی تھا اور ولن کا کردار ظاہر ہے نادر شاہ کا تھا۔

"مجھے یقین ہے۔ وہ میری بات مان لے گا۔" میں نے فکر مندی سے کہا۔

"مانے گا کیوں نہیں جب کچھ ملنے کی امید ہو تو نادر شاہ جہنم میں بھی بلا خوف و خطر چھلانگ لگا سکتا ہے۔"

"اور بقول تیرے بد ارواح اور بھوت پریت سے اس

UrduPhoto.com

جان جاتی ہے۔ ایسا نہ ہوا تو ہم دونوں کی جان ضرور جائے گی۔"

"اس کی میں سو فی صد گارنٹی دیتا ہوں۔" راجا نے کہا "تجھے سب سے زیادہ دشواری اسے قبرستان تک لانے میں ہوگی۔ اس کے بعد سب میں سنبھال لوں گا۔ اس سے اس کا پیشاب نہ نکلا تو میرا نام راجا نہیں۔ تجھے یاد ہے اس قسم کے کتنے ڈرامے ہم نے بچپن میں بھی کیے تھے۔"

مجھے یاد تھا۔ رات کے اندھیرے میں ہم قبرستان پہنچتے تھے۔ جہاں راجا سفید چادر پہن کر لاش کا پارٹ ادا کرتا تھا اور ہم نے اس طریقے سے کتنے ہی لوگوں کو خوف زدہ کیا تھا۔ بہت سارے تو خوف کے مارے بے ہوش بھی ہو جاتے تھے اور راجا خبیث ان کی جیب صاف کر دیتا تھا۔ ان ڈراموں میں میرا پارٹ یہ ہوتا تھا کہ درخت پر چڑھ کر راجا کو آنے والے کے بارے میں سگنل دیا کرتا تھا، اس منحوس پرندے کی آواز میں جسے لوگ نہ جانے کیوں الو کہتے ہیں۔ بعد میں حاصل شدہ رقم سے ہم خوب مزے کیا کرتے۔ ہفتے میں ایک آدھ شکار تو پھنس ہی جاتا تھا۔ راجا کو مداح کے ساؤنڈ ایفیکٹس دینے کا بھی ماہر تھا اور ایسی آوازیں نکالتا تھا کہ اچھا خاصا دلیر بندہ بھی دہل جائے۔

"نادر شاہ کو میں لے آؤں گا لیکن ایسا نہ ہو کہ اسے شک ہو جائے اور وہ تیری نقاب کشائی پر تل جائے۔"

"میں اس کے ہاتھ ہی نہیں آؤں گا۔" راجا نے اطمینان سے کہا "قبرستان میں اس کا باپ بھی مجھے نہیں پکڑ سکتا۔"

"لیکن میں تو اس کے ساتھ ہوں گا۔"

"ابے الو کے پٹھے تجھے اپنی رقم چاہیے یا نہیں۔" راجا نے بھنا کر میری دکھتی رگ کو چھیڑا۔ میں نے سر کو گھوڑے کی طرح ہلایا "تب پھر یہ اگر مگر چھوڑ دے اور کمر ہمت کس لے۔"

بینک ڈکیتی کی واردات کے بعد یہ پہلا موقع تھا جب راجا کسی کام کے لیے میری ہمت بندھا رہا تھا۔ میرے پاس اس کے پلان سے متفق ہونے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ میں نے اس سے ہاتھ ملایا "تب پھر ان شاء اللہ۔"

"مشن ڈھڑن تختہ برائے نادر شاہ بعد از دلی والے۔" راجا نے جوش سے کہا۔

○☆○

"سرکار میں گورکن ہوں۔" میں نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔

نادر شاہ نے اپنی تلوار مار کہ مونچھ ہلا کر بغور مجھے دیکھا تو میری حالت خراب ہونے لگی۔ ویسے تو میرے حلیے میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ سیاہی مائل بھورے بال اب خاکستر ہو رہے تھے۔ گندمی رنگت سیاہ ہو رہی تھی۔ بایاں گال یوں پھولا ہوا تھا جیسے اس پر ورم آگیا ہو۔ حالانکہ میں نے منہ میں پورا ایک پیکٹ چیونگم رکھ لی تھی۔ یہ واحد شے ہے جو منہ میں رہ کر کبھی تکلیف نہیں دیتی۔ میری آواز پتلی اور کراری ہو گئی تھی اور میں سر سے پیر تک مٹی کی تہ میں ملفوف تھا۔ ظاہر ہے ایک گورکن کا کام ہی مٹی والا ہے۔ اس کے باوجود مجھے ڈر تھا کہ یہ خبیث گدھ جیسی نگاہ رکھنے والا حوالدار کہیں مجھے شناخت نہ کر لے۔ ظاہر ہے ہم ایک ہی محلے میں رہتے تھے اور ابھی چند دن پہلے ہی اس کی اور میری ملاقات ہوئی تھی۔

"تم گورکن ہو۔" اس نے بغور مجھے دیکھا "دوسروں کے لیے قبر کھودتے کھودتے کہیں خود تو اس میں نہیں جا گرے تھے یا کسی نے تمہیں قبر میں دھکا تو نہیں دے دیا۔ پاؤں تو تم ویسے ہی لٹکائے بیٹھے ہو۔"

میں نے اطمینان کا سانس لیا کہ نادر شاہ کی ایکسریز نگاہ مجھے شناخت کرنے میں ناکام رہی تھی۔ میں نے رات بارہ بجے اس کا دروازہ کھٹکھٹایا تو وہ صرف دھوتی میں باہر نکل آیا تھا۔ اس کی غبارے نما توند بتا رہی تھی کہ اس نے خاصا حرام مال جمع کر رکھا ہے۔

"نہیں سرکار۔ میں تو شکایت لے کر آیا تھا۔ وہاں قبرستان کے کھنڈر کو لوگوں نے جوا خانہ بنا لیا ہے۔ نشہ بھی ہوتا ہے۔"

نادر شاہ کے لیے یہ انکشاف ہی نہیں شرم ناک مقام بھی تھا۔ اس کے علاقے میں اس کی لاعلمی میں اور اس کی اجازت کے بغیر غیر قانونی کام ہو رہا تھا۔ اس کا غیظ و غضب میں مبتلا ہونا یقینی تھا۔ اس کا اندازہ مجھے اس کی توند کے پھولنے پچکنے کی رفتار سے ہوا جو پہلے کے مقابلے میں پچاس فی صد زیادہ ہو گئی تھی۔

"کون ہیں وہ ماں کے... والی۔" درمیان میں متعدد ناقابلِ اشاعت گالیاں تھیں جو پولیس کی عوامی ڈکشنری کا ایک حصہ ہیں۔ میں نے مسمسی سی صورت بنا کر کہا۔

"مجھے کیا معلوم سرکار۔ ایک بار غلطی سے اس طرف نکل گیا تھا۔ چھ سات افراد تھے اور ان کے پاس نوٹوں کی گڈیاں تھیں۔"

UrduPhoto.com

یک لخت نادر شاہ کے غصے میں دلچسپی کا عنصر بھی شامل ہوگیا۔ میں نے ایک اور جال پھینکا "خاصی رقم ہوتی ہے ان لوگوں کے پاس۔"

"جوا کس وقت ہوتا ہے؟" نادر شاہ نے پوچھا۔

"رات گیارہ بجے سے دو بجے تک پھر وہ لوگ چلے جاتے ہیں۔ ایک دفعہ غلطی سے سو کا نوٹ بھول گئے تھے۔"

"ایک منٹ!" اس نے کہا "تم یہیں ٹھہرو اور بھاگنے کی کوشش کی نا تو میں۔۔۔" آگے کی بات پھر ناقابلِ اشاعت تھی۔

"میں تو خود اطلاع دینے آیا ہوں سرکار۔" میں نے پتلی کراری آواز میں کہا۔

نادر شاہ نے ناقابلِ یقین پھرتی کا مظاہرہ کیا اور صرف پانچ منٹ میں پکا حوالدار بن کر باہر آگیا۔ اس کے سر پر ٹوپی بھی تھی اور یہ دیکھ کر میری حالت خراب ہونے لگی کہ اس کے ہاتھ میں ایک عدد سیون ایم ایم رائفل بھی تھی۔ گویا وہ خبیث سرکاری رائفل گھر لے آتا تھا۔

میں نے یہ سوچ کر گھر آنے کا خطرہ مول لیا تھا کہ ایک تو اس کے پاس ہتھیار نہیں ہوگا، دوسرے وہ کسی اور کو ساتھ نہیں لے سکے گا ورنہ تھانے میں اس سے ملتا تو اس کے باپ کو بھی شک نہیں ہوتا۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ وہ سرکاری رائفل گھر لے آتا ہوگا۔ جو قانون کی خلاف ورزی ہے۔ اس قانون کی جس کا وہ نام نہاد رکھوالا تھا۔ رائفل دیکھ کر میں پریشان تھا کہ یہ تو بسم اللہ ہی غلط ہوگئی لیکن اب میں جانے پر مجبور تھا۔

"دیکھو تھانے دار سرکار میرا خیال رکھنا ایسا نہ ہو کہ مقابلہ آپ کے اور مجرموں کے درمیان ہو اور ہمیشہ کی طرح عوام یعنی میں مارا جاؤں۔"

"میری طرف سے بے فکر رہو۔" اس نے اطمینان سے کہا "ہم سے ہمیشہ وہی مارا جاتا ہے جسے ہم مارتے ہیں۔"

"یعنی بے گناہ!" یہ میں نے دل میں کہا تھا۔ زبان سے کہتا تو احمق کہلاتا۔ نادر شاہ اپنی شاہی سواری یعنی بھاری بھرکم موٹر سائیکل بھی نکال لایا تھا۔ قبرستان صرف ایک میل کے فاصلے پر تھا لیکن اس جیسے حرام خور کے لیے ناممکن تھا کہ اتنا فاصلہ پیدل ہی طے کرتا۔ بادلِ ناخواستہ اس نے مجھے پیچھے بٹھایا۔ یہ قبرستان علاقے کے ایک کونے پر تھا۔ اس کے دو سرے سرے پر کسی پرانے مکان کے کھنڈرات باقی رہ گئے تھے۔ جہاں اب کوئی نہیں رہتا تھا اور جب سے وہاں سے بوری میں بند کچھ لاشیں برآمد ہوئی تھیں، وہاں کوئی بھٹکتا بھی نہیں تھا۔ گورکن اپنے خاندان والوں کے ہمراہ آبادی والے سرے پر رہتا تھا۔ نادر شاہ نے اپنی شاہی سواری کو خاصا پہلے روک دیا ورنہ اس کا صورِ اسرافیل سن کر "جواری" ہوشیار ہوجاتے۔

"اسے سنبھال۔" اس نے بے نیازی سے یہ وزنی مرد مجھے تھما دیا اور میں اسے کھینچتا اور اپنے مقدر کو کوستا اس کے پیچھے چلنے لگا۔ اب میں راجا کے لیے پریشان تھا۔ ظاہر ہے کھنڈر میں کوئی جوا نہیں چل رہا تھا اور اب راجا کے بارے میں مجھے شبہ تھا کہ وہ نادر شاہ کو ہتھیار بدست دیکھ کر وہی کرے گا جس کی اس سے توقع کی جاسکتی ہے یعنی گھر کی طرف دوڑ لگائے گا تو پھر گھر پہنچ کر ہی دم لے گا۔ نادر شاہ نے موٹر سائیکل کھنڈرات سے کچھ دور ایک جھاڑی کے عقب میں چھپانے کو کہا اور میں نے خدا کا شکر ادا کیا۔ اس بیگار سے جان چھڑا کر مجھے نادر شاہ کے ساتھ کھنڈرات کی طرف جانا پڑا۔

"سرکار، ایسا کریں مجھے یہیں رہنے دیں۔ آپ کی موٹر سائیکل کی حفاظت کروں گا۔ تب تک آپ مجرموں کو پکڑ لائیں۔"

نادر شاہ نے کچھ دیر میری تجویز پر غور کیا اور پھر اسے ویٹو کرتے ہوئے بولا "ہرگز نہیں تم میرے ساتھ رہو گے اور یاد رکھنا اگر یہاں مجھے کوئی نہیں ملا تو میں تمہیں تھانے لے جاؤں گا۔ پولیس کو بے وقوف بنانا بہت سنگین جرم ہے۔"

مجھ سے بہتر کون جان سکتا تھا۔ میں اس وقت یہی سنگین جرم کر رہا تھا اور راجا کو کوس رہا تھا۔ جس نے اتنا خطرناک منصوبہ بنایا تھا اور ساتھ ہی اس مصیبت سے جان چھڑانے کی کوئی ترکیب بھی سوچ رہا تھا۔ اچانک نادر شاہ چونکا۔

"اوئے یہ آوازیں کیسی ہیں؟" اس کا رنگ سفید پڑگیا تھا۔ غالباً جنوں بھوتوں اور چڑیلوں کے خیال سے۔ میں نے کسی قہقہے کی آواز سنی تھی۔ لہٰذا سوچے سمجھے بغیر کہا۔

"سرکار وہی جواری ہوں گے۔"

نادر شاہ کی حالت بحال ہوتے دیکھ کر مجھے اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ اس دفعہ میں نے اپنی غائب دماغی کو کوسا۔ اتنا اچھا موقع خود گنوایا تھا۔ نادر شاہ نے مجھے پیچھے آنے کا اشارہ کرتے ہوئے کھنڈرات میں قدم رنجہ فرمایا۔ چودھویں کے چاند کی روشنی میں نہایت بھیانک اور پُرہول نظر آرہا تھا۔ ٹوٹے در و دیوار کے سائے مختلف خوفناک سائے تشکیل دے رہے تھے۔ ماحول بالکل کسی پارر فلم کے سیٹ کا سا تھا۔ کمی صرف کسی خوفناک مخلوق کی تھی اور ہر دم ایسا لگ رہا تھا کہ

ابھی کسی دیوار کے عقب سے کوئی چڑیل پائل بجاتی نمودار ہوگی اور ہم دونوں کو نوش فرمانے سے پہلے کوئی فلمی گانا پیش کرے گی۔ یا کوئی سرکٹا سگریٹ کی طلب لیے آئے گا اور سگریٹ نہ ملنے پر ہمارے سر لے جائے گا۔ سب سے زیادہ خطرہ جو مجھے لاحق تھا وہ یہ کہ راجا نہیں آئے گا اور نادر شاہ مالِ غنیمت میں مجھے لے جائے گا اور تھانے میں میرے ساتھ وہ سلوک ہوگا جو مبینہ چڑیلیں یا سرکٹے مل کر بھی نہیں کرسکتے تھے۔ معاً میرا دل زور سے دھڑکنے لگا کیونکہ نشے میں ڈوبا یہ مردانہ قہقہہ اب میرے کانوں نے بھی صاف سنا تھا۔ ہم نے ڈراما کیا تھا اور لگتا تھا کہ ہمارا جھوٹ سچ ثابت ہوگا۔ چند لمحے بعد میرے اندیشے درست نکلے جب میں اور نادر شاہ کھنڈر کے عقبی حصے میں پہنچے۔ وہاں سچ مچ سات آٹھ افراد فرش پر دریاں بچھائے پیٹرومیکس کی تیز روشنی میں جوئے کے ساتھ دیسی ٹھرے اور چرس سے شوق فرما رہے تھے۔ دری پر تاش کے پتوں کے ساتھ سچ مچ کی خاصی رقم تھی۔ کھیل میں پانچ افراد شریک تھے اور ایک منحنی سا شخص بار بار کہہ رہا تھا اس کے ساتھ بے ایمانی ہو رہی ہے حالانکہ نوٹوں کا سب سے اونچا ڈھیر اسی کے پاس تھا۔ یہ نہ جانے کس قسم کی بے ایمانی تھی کہ وہ جیتے جا رہا تھا۔ اتنے شکار اور شکاروں سے زیادہ نوٹوں کی مقدار دیکھ کر نادر شاہ کی باچھیں کھل اٹھی تھیں۔ اس نے مجھے ساتھ آنے کا اشارہ کیا اور یک دم کھلے میں آکر ان سب کو ہینڈز اپ کرنے کا حکم دیا۔ چند لمحے پہلے قہقہے لگانے والے اچانک یوں ساکت ہوگئے تھے جیسے منجمد ہوگئے ہوں۔

"سنا نہیں۔" نادر شاہ نے دہاڑ کر کہا۔ اس نے اپنا حکم خالص پولیس کی زبان میں دہرایا اور سب سے قریب موجود جواری کو ایک عدد لات رسید کی۔ نادر شاہ کی ستون نما لات نے اس کی پسلی توڑ دی تھی۔ وہ کٹے ہوئے بکرے کی طرح چیخا تو باقی سب نے اٹھ کر پھرتی سے اس کے حکم کی تعمیل کی۔ وہ سب دیوار کی طرف منہ کرکے ہاتھ اٹھائے کھڑے تھے اور اکثر بید مجنوں کی طرح کانپ رہے تھے۔ لات سے فیض یاب ہونے والا اب..... بھوں بھوں کرکے رو رہا تھا اس کی فریاد تھی کہ اس کی کوئی پسلی ٹوٹ گئی ہے اور جب نادر شاہ نے دوسری لات مار کر پوچھا "والی پسلی؟" تو وہ درد کا ماما بھول کر اپنے ساتھیوں کی قطار..... میں جا کھڑا ہوا۔

"اوئے گورکن کی اولاد۔" نادر شاہ نے مجھ سے کہا "تلاشی لے ان ماں..... کی۔ کسی نے بھاگنے کی کوشش کی تو ایسی جگہ گولی ماروں گا کہ مرنے کے بعد فرشتوں کو بتاتے ہوئے شرماؤ گے۔"

وہ سب متوسط طبقے کے جوان اور ادھیڑ عمر افراد تھے۔ جو جرائم کی گاڑی کے درجہ سوم کے مسافر تھے اور دنیا والوں کی نظروں سے چھپ کر یہاں اپنے شوق پورے کرنے آتے تھے۔ انہیں یقین تھا کہ اس شہرِ آسیب و بلا میں انہیں کوئی تنگ نہیں کرے گا مگر ان کی بدقسمتی کو میں خود وہاں لے کر آیا تھا۔ جو عن قریب میری بدقسمتی بننے والی تھی۔ میں نے ان کی جیبوں کی تلاشی لے کر ملنے والی رقم اور اشیا دری پر جمع کردیں۔ جیبوں سے بھی اتنی ہی رقم برآمد ہوئی تھی جتنی کہ دری پر پہلے سے موجود تھی۔ اب نادر شاہ سوچ رہا تھا کہ گرفتار ملزمان کو تھانے کیونکر لے جائے اور لے بھی جائے یا یہیں مک مکا کرے لیکن یہ خسارے کا سودا ہوتا۔ جتنا اسے یہاں مل رہا تھا۔ اتنا تو وہ ایک بندے کی رہائی کے عوض وصول کرسکتا تھا۔ لہٰذا اس نے مجھے اگلا حکم دیا "ان سب کے ہاتھ پیر باندھو۔"

"کیسے سرکار باندھنے کے لیے کچھ ہے ہی نہیں۔"

نادر شاہ کے ذہن میں اس کا حل پہلے سے موجود تھا۔ اس نے کہا "ان کے کپڑے اتروا اور ان سے پٹیاں پھاڑ کر انہیں باندھو۔"

اسیران نے پہلی بار زبان کھولی۔ وہ نادر شاہ کی منت کررہے تھے کہ وہ ان کا سب کچھ لے لے اور انہیں جانے دے۔ نادر شاہ ہنسا۔

"اس کے لیے مجھے تمہاری اجازت کی ضرورت نہیں ہے۔ باقی تمہارے گھر والے خود لاکر دیں گے۔ جب وہ تمہاری حالت دیکھیں گے۔"

اس پر لات کھانے والا بھوں بھوں کرکے رونے لگا۔ "میری بیوی ایک پیسہ نہیں دے گی بلکہ کہے گی اسے تھانے میں رکھو یا جیل بھیج دو اس کی بلا سے۔"

اسی لمحے ایک عجیب سی بات ہوئی۔ پیٹرومیکس اچھا بھلا جلتے جلتے یک دم بجھ گیا۔ تیز روشنی جو ختم ہوئی تو کم از کم میری نظروں کے آگے چند لمحے کے لیے تاریکی سی آگئی۔ ملزمان اس موقع کا فائدہ نہ اٹھاتے تو ان سے بڑا بے وقوف کوئی نہ ہوتا۔ لہٰذا تاریکی ہوتے ہی وہ بھاگ نکلے اور نادر شاہ "اوئے اوئے" کرتا اور انہیں گولی مارنے کی دھمکیاں دیتا رہ گیا۔ جو قطعی کھوکھلی تھیں۔ اس تاریکی میں فائر کرکے وہ کسی کو بلاوجہ بھی قتل کرسکتا تھا۔ چند ہی لمحوں میں ہم دونوں وہاں رہ گئے تھے۔ میری بدقسمتی کہ میں نادر شاہ کے بالکل پاس کھڑا تھا اس لیے فرار سے پہلے ہی گرفتار ہوگیا۔ اس نے مضبوطی

WWW.PAKSOCIETY.COM

سے میرا بازو تھام لیا تھا۔ اب میری بد بختی میں کوئی شبہ نہیں رہ گیا اور اس وقت مجھے راجا کے آنے کی امید نہیں رہی تھی۔ جب میں نے ایک خوفناک آواز سنی کوئی گوریلا کسی اونٹ کے لہجے میں قہقہہ لگانے کی کوشش کرے تو کچھ ایسی ہی آواز برآمد ہوتی۔ اگر میں راجا کی آواز نہ پہچان چکا ہوتا تو میرا بھی خوف سے وہی حال ہوتا جو اس وقت نادر شاہ کا ہو رہا تھا۔ خوف سے اس کا جسم لرز رہا تھا اور غالباً گھگی بندھی ہوئی تھی۔

"یہ آواز۔۔۔ کیسی تھی؟" اس نے بڑی کوشش کے بعد پوچھا۔

"معلوم نہیں سرکار۔" میں نے بھی بتیسی بجاتے ہوئے کہا "یہ کھنڈر تو آسیب زدہ بھی ہے۔ ممکن ہے کوئی بری بلا ہو۔"

"حرامی، مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا۔" نادر شاہ کی آواز سے تمام تنتنا غائب ہو چکا تھا اور وہ بھیگی بلی کی طرح میاؤں میاؤں کر رہا تھا۔ گالی اس نے عادتاً دی تھی۔ یہ موقع تھا کہ میں اس سے ہاتھ چھڑا کر بھاگ سکتا تھا لیکن اسی وقت بھیانک آواز دوبارہ آئی جو کہ کسی بھیڑیے کی آخری چیخ سے مشابہ تھی۔ آواز بے حد قریب سے آئی تھی۔ نادر شاہ نے گھگیائی ہوئی آواز نکالی اس کی رائفل ٹن سے نیچے گری اور وہ بھوت کی طرح مجھ سے چمٹ گیا۔ اس نے میرے فرار کی کوشش ایک بار پھر ناکام بنا دی تھی۔ اب ایک ہی طریقہ رہ گیا تھا لیکن اس سے پہلے کہ میں مکا مار کر اسے ناک آؤٹ کرتا۔ دیوار کے عقب سے ایک سفید سی شے برآمد ہوئی اور خوف ناک آوازیں نکالتی ہماری طرف بڑھی۔ سفید چادر کے ہالے میں اس کی آنکھیں انگاروں کی طرح دہک رہی تھیں۔ میں راجا کے بھیس کی داد دیے بغیر نہ رہ سکا۔ اگر میں واقفِ حال نہ ہوتا تو اب تک خود بھی بے ہوش ہو چکا ہوتا۔

"میں تو گیا سرکار۔" میں نے بھنچی ہوئی آواز میں کہا اور نیچے لڑھک گیا۔ اب نادر شاہ اکیلا تھا۔ اس نے بدحواسی میں دوڑ لگائی تو سیدھا دیوار سے جا ٹکرایا۔ راجا بدستور اس کے تعاقب میں تھا۔ وہ اسے بھاگتے ہوئے نہ جانے کہاں لے گیا۔ میں نے پھرتی سے اٹھ کر وہاں موجود مال غنیمت سمیٹا اور کھنڈر سے باہر کی جانب دوڑ لگا دی۔ نادر شاہ کی رائفل کو میں نے ہاتھ بھی نہیں لگایا تھا۔ میں کھنڈر سے باہر نکلا تو نادر شاہ تھا اور نہ راجا۔ وہ اپنا کام کر کے نکل گیا تھا۔

میں دوڑا ہی تھا کہ اندھیرے میں کسی شے سے ٹھوکر کھا کر گرا۔ یہ شے بعد ازاں نادر شاہ کا جسدِ خاکی ثابت ہوئی۔

اس وقت میرا خیال یہی تھا کہ وہ وفات پا چکا تھا لیکن ٹٹولنے سے ثابت ہوا کہ وہ زندہ تھا۔ میں نے ٹٹول کر اس کی جیب سے موٹر سائیکل کی چابی اور پرس نکالا۔ ساتھ ہی مجھے ایک نادر خیال بھی آیا۔ میں نے اس کی وردی اتاری۔ اب وہ صرف نیکر اور بنیان میں پڑا تھا۔ مجھے اطمینان تھا کہ اس کی جان کو کوئی خطرہ نہیں ہے۔ وہ گھنٹے دو گھنٹے میں ہوش میں آجائے گا تو مزید ایک میل چل کر گھر تک پہنچ جائے گا لیکن اس سے پہلے مجھے ایک اہم کام کرنا تھا۔ میں نے جا کر جھاڑی سے نادر شاہ کی بائیک نکالی اور اس پر سوار ہو کر روانہ ہو گیا۔ کچھ کتوں نے مجھے قبرستان کی حدود تک اسکورٹ کیا اور میں نے بہ سببِ شکر گزاری ان کی طرف تحفتاً کچھ پتھر ارسال کیے جس کے بعد وہ دُم دبا کر لوٹ گئے۔

احتیاطاً موٹر سائیکل میں نے خاصی دور روک دی ورنہ اس کا قیامت خیز شور سن کر نادر شاہ کے اہل و عیال جاگ جاتے اور میرا کام دھرا رہ جاتا۔ میں نے چابی مٹھی میں دبائی اور احتیاط سے چلتا نادر شاہ کے گھر تک گیا۔ دروازے کی چابی کچھے میں موجود تھی جو تیسری کوشش میں مل گئی۔ میں اندر داخل ہوا۔ یہ ایک طویل گیلری تھی جس کے ایک طرف کمرے تھے اور دوسری طرف برآمدہ۔ مجھے نادر شاہ کی دخترِ اختر عارفہ کے کمرے کی تلاش تھی۔ دوسرا دروازہ اس کے کمرے کا ثابت ہوا اور وہ اپنے بستر پر حسنِ بے حجاب کی عملی تفسیر بنی سو رہی تھی۔ میں نے دل ہی دل میں اسے الو کی پٹھی کا خطاب دیا۔ میرے بجائے کوئی سچ مچ کا چور آجاتا تو مال و زر کے بجائے اسے لوٹ کر چلا جاتا۔ بہ مشکل اس سے توجہ ہٹا کر میں نے سنگھار میز کی طرف توجہ دی۔ میں دیکھ چکا تھا کہ بالیاں عارفہ کے کانوں میں نہیں ہیں اور وہ مجھے تیسری دراز میں مل گئیں لیکن ابھی میں نے بالیاں اٹھائی ہی تھیں کہ کسی نے بیرونی دروازے پر مکے بازی شروع کر دی۔ وہ غالباً دروازے کو گرا دینے پر آمادہ تھا اور پھر میں نے نادر شاہ کے چلانے کی آواز سنی۔ "عارفہ کی ماں دروازہ کھولو۔"

میرا خون خشک ہو گیا اور یہ دیکھ کر تو مزید خشک ہو گیا کہ عارفہ اٹھ گئی تھی اور پٹ پٹائی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ ابھی اسے چیخ مارنے کا خیال نہیں آیا تھا۔ رنگے ہاتھوں پکڑے جانے کے خیال سے میرے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ نادر شاہ کے گھر سے پکڑا جانا میرے حق میں کس قدر عبرت ناک ہوتا، اس کا اندازہ مجھے تھوڑا بہت تھا۔ یہ سوچ کر میں باہر کی طرف دوڑا تو عارفہ نے چیخ ماری اور پھر خطرے کے سائرن کی طرح مسلسل بجنے لگی۔ میرے پاس وقت نہیں

تھا کہ اسے خاموش کراتا۔ اس کا فائدہ بھی نہیں تھا۔ نادر شاہ کی غیر متوقع آمد نے مجھے چوہے دان میں پھنسا دیا تھا اور باہر وہ خود موجود تھا۔ مجھے امید نہیں تھی کہ وہ اتنی جلدی گھر پہنچ جائے گا۔ میں بدحواس سا کمرے سے نکلا ہی تھا کہ حوالدارنی دوسرے کمرے سے برآمد ہوئی۔ جسامت میں نادر شاہ سیر تھا' تو وہ سوا سیر تھی۔ مجھے دیکھ کر اس نے کسی گوریلے کی طرح چیخ ماری اور میری طرف جھپٹی۔ اگر میں اس کی گرفت میں آجاتا تو میری ہڈیاں پسلیاں سب برابر ہو جاتیں۔ میں اسے نچا دے کر نکلا تو سامنے زینہ آگیا۔ میں بے اختیار سیڑھی چڑھ گیا۔ چھت کا دروازہ اندر سے بند تھا۔ دوسری طرف نکل کر میں نے اسے باہر سے بند کردیا۔ اس ہتھنی کے لیے میرا تعاقب ممکن نہیں تھا اور اب چھت پر آنا تو قطعی ناممکن۔ نیچے نادر شاہ اور اس کی اکلوتی اولاد کا شور وفغاں جاری تھا اور مجھے سخت اندیشہ تھا کہ سارا محلہ بیدار ہو چکا ہوگا۔

چھتوں کو پھلانگتا ہوا میں اپنی چھت تک پہنچا تھا کہ نادر شاہ نہ جانے کیسے چھت تک پہنچ گیا۔ میں نے بروقت سیڑھیوں کی طرف غوطہ مارا تھا ورنہ وہ مجھے دیکھ لیتا۔ ویسے وہ بہ آوازِ بلند میری شان میں ایک آزاد نظم پڑھ رہا تھا۔ میرے پاس وقت بالکل نہیں تھا۔ نیچے آتے ہی میں غسل خانے میں گھس گیا۔ محض پانچ منٹ میں' میں نے غسل کرکے خود کو مٹی کی گرفت سے آزاد کرایا' دوسرے کپڑے پہن کر میں نے موجودہ کپڑے ایک شاپر میں ڈالے اور شاپر ایک جگہ چھپا دیا۔ رقم اور نادر شاہ کا بٹوا بھی اسی میں تھا۔ اس کے بعد میں یوں بستر پر لیٹ گیا جیسے سو رہا ہوں۔ دو منٹ بعد نادر شاہ اینڈ کمپنی نے ہمارے گھر پر حملہ کیا تو میں آنکھ ملتے ہوئے باہر نکلا اور چلایا "کون آمرا ہے' اس وقت۔"

اور دروازہ کھول کر میں نے بظاہر شرمندگی سے ان سب کو دیکھا۔ معذرت سے نادر شاہ کا غصہ کم نہیں ہوا۔ اس نے بتایا کہ کوئی شخص اس کے ہاں چوری کرکے بھاگا ہے۔ باقی الفاظ میں اس کے عزائم تھے کہ مبینہ چور کے ہاتھ آنے کی صورت میں وہ کیا کرے گا۔

"آپ کے ہاں چوری۔" میں نے دم بہ خود ہو کر پوچھا "ایسا جیالا کون پیدا ہو گیا۔"

نادر شاہ نے ایک بار پھر نازیبا الفاظ میں اعلان کیا کہ چور مذکورہ اس کے ہاتھ آنے کی صورت میں اپنی پیدائش پر پچھتائے گا۔ میں نے پھر چٹکی لی "چرا کے کیا لے گیا ہے؟"

"کچھ نہیں۔" نادر شاہ نے خون کے گھونٹ پی کر کہا "وہ

سچ بیانی

نوبیاہتا دلہن :۔ کیا تمہاری زندگی میں کوئی وقت ایسا بھی آئے گا جب تم مجھے بھول جاؤ گے... مجھ سے محبت کرنا چھوڑ دو گے؟

دلہا :۔ (کچھ سوچ کر) ہاں... نو بجے مجھے آفس جانا ہوتا ہے۔

اندر ہی گھسا تھا کہ میری آنکھ کھل گئی۔"

"ہاں آپ سو رہے تھے۔ شاید مٹی میں۔" میں بولا تو وہ چونکا۔

"تمہیں کیسے معلوم؟" اس نے مشکوک لہجے میں کہا۔

"شاہ جی آپ سر سے پاؤں تک مٹی میں اٹے ہوا اور مجھ سے پوچھتے ہو۔" میں نے ہنس کر کہا تو وہ کھسیا گیا۔ اس کے اصرار پر میں نے صحن اور چھت کی "تلاشی" لی اور مبینہ مفرور مجرم وہاں موجود نہیں تھا۔ ظاہر ہے یہ تو نادر شاہ کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ مذکورہ چور میں ہی تھا اور اب اس کے ساتھ مل کر خود تلاش کر رہا تھا۔ غالباً اسے شک تھا بھی نہیں ورنہ وہ غور سے مجھے دیکھتا تو میرے گیلے بال اسے شک میں ڈال سکتے تھے۔ اس کے رخصت ہوتے ہی میں نے دروازہ بند کیا اور جا کر بستر پر گر گیا۔ مشقت اور بھاگ دوڑ نے میرا حال کسی سرکاری ادارے سے زیادہ بدتر کردیا تھا۔

صبح خلیل کے کارخانے اور اماں کے خالہ لاؤڈ اسپیکر کے ہاں روانگی اختیار کرتے ہی میں نے کمرا اندر سے بند کرکے رات کا مالِ غنیمت نکالا۔ جواریوں کے پاس سے برآمد ہونے والی رقم سترہ ہزار دو سو پچیس روپے تھی۔ گویا میرا نقصان تقریباً پورا ہو گیا تھا۔ نادر شاہ کے بٹوے سے مجھے زیادہ رقم نکلنے کی امید تھی لیکن محض دو ہزار تین سو پچھتر روپے دیکھ کر میری امید پر اوس پڑ گئی اور جب میں نے ٹوٹل کیا تو کل رقم بیس ہزار نکلی۔ میں دم بہ خود رہ گیا تھا۔ یہ ٹھیک اتنی ہی رقم تھی جتنی کہ مجھے درکار تھی اور بالیاں۔ وہ بونس میں مل گئی تھیں۔ میں نے ایک نعرہ لگا کر تھوڑا رقص کرنے کی کوشش کی۔ جس میں ایک جگ ٹوٹا اور میرا گھٹنا تقریباً ٹوٹتے ٹوٹتے بچا۔ چارپائی کا پایہ زیادہ مضبوط تھا۔ میں نے فیصلہ کیا کہ کہ راجا بدبخت اگرچہ تاخیر سے نمودار ہوا تھا لیکن اپنی لاجواب پرفارمنس کی بدولت انعام کا مستحق تھا۔ حسبِ معمول میں نے اس کے گھر جانے کی غلطی کی اور راجا کی ماں سے ایک سو ایک زنانہ گالیاں وکوسنے کھانے سے پہلے بھاگ

UrduPhoto.com

گیا۔ اس دفعہ دکان کی طرف جانے کی غلطی نہیں کی اور سیدھا فتو کے کیفے ڈی پھونس پہنچا۔ وہ ایک بینچ پر منہ کے آگے اخبار کیے بیٹھا تھا۔ میں نے اسے اس کی شلوار سے پہچان لیا اور بیٹھتے ہی بے تکلفی سے کہا۔

"راجا حرامی' تیری رات کی اداکاری لاجواب تھی۔"

"راجا کے حرامی ہونے میں تو کوئی شک نہیں ہے۔" راجا کے باپ نے منہ سے اخبار ہٹاتے ہوئے کہا "مگر رات اس نے کس اسٹیج ڈرامے میں کام کیا تھا؟"

اور اس سے پہلے کہ راجا کا باپ میری شان میں ایک سو ایک گالیوں کا قصیدہ کہتا' میں وہاں سے بھاگ نکلا۔ اسے کوستا ہوا جو اپنے بیٹے کی شلوار پہن کر آگیا تھا۔ اس دفعہ میں نے بالکل ٹھیک جگہ کا رخ کیا۔ راجا دکان میں موجود تھا اور بادل ناخواستہ ایک سوٹ پر استری پھیر رہا تھا۔ میں جاتے ہی اس سے لپٹ گیا۔

"راجا کمینے' تیرا منصوبہ کامیاب رہا۔"

"کامیاب رہا۔" وہ ہکا بکا رہ گیا "کیسے؟"

جواب میں' میں نے اسے تفصیل سے' بعد میں آنے والے واقعات سنائے۔ راجا کا منہ کھلا ہوا تھا اور اسے قطعی ہوش نہیں تھا کہ ایک مکھی اس کے پہلے دانتوں کا معائنہ کر رہی ہے۔ "نادر شاہ صرف نیکر اور بنیان میں فرشی خاک پر محوِ استراحت تھے۔ کیا منظر تھا۔" میں نے قہقہہ مارا "کاش میرے پاس کوئی کیمرا ہوتا۔" پھر مجھے احساس ہوا کہ کوئی گڑبڑ ہے۔ راجا ناقابلِ یقین نظروں سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔ "راجا خبیث کیا بات ہے۔ کیا تجھے میری بات کا یقین نہیں ہے۔"

"یقین کہاں سے کروں۔" راجا نے خفگی سے کہا "جب میں رات کو وہاں گیا ہی نہیں تھا۔"

اب میں دم بہ خود رہ گیا "تو گیا ہی نہیں تھا؟"

راجا نے سر ہلایا "ابا نے مجھے سفید چادر پار کرتے ہوئے رنگے ہاتھوں پکڑا تھا اور... خیر بعد میں ابا نے مجھے کمرے میں بند کر کے تالا لگا دیا تھا اور چابی اپنے ازار بند کے ساتھ باندھ کر سو گئے تھے۔ اسے خدشہ تھا کہ اماں نہ کھول دے۔ دراصل اسے شبہ تھا کہ میں نشہ کرنے لگا ہوں اور چادر چرا کے بیچنے جا رہا تھا پھر میں نے جس طرح اس کی خوشامد کی اس سے اسے پکا یقین ہو گیا۔ اس نے کہا کہ بے شک میں نشہ نہ ملنے کے باعث یہیں فوت ہو جاؤں تو میری روح ہی باہر آسکے گی' میں نہیں اور جب صبح ابا کو یقین ہو گیا کہ میں نشہ نہیں کرتا تو اس نے مجھے پکڑ کر دکان پر لا کر بٹھا دیا۔"

میں سوچ رہا تھا کہ جب راجا رات کو قبرستان سے برآمد نہیں ہوا تھا تو سفید کپڑوں یا کفن میں ملبوس وہ کیا شے تھی۔ مجھے اپنے رونگٹے کھڑے ہوتے محسوس ہوئے اور تھوڑا سا ذہن بھی چکرایا لیکن راجا کی موجودگی میں' میں نے بے ہوش ہونے سے پرہیز کیا۔ گویا راجا نے کچھ نہیں کیا تھا اور رات سچ مچ کوئی بدروح اپنی قبر سے اٹھ کر شملے باہر نکل آئی تھی۔ اگر مجھے ذرا بھی احساس ہو جاتا کہ وہ راجا نہیں ہے تو غالباً میں بھی نادر شاہ کے ساتھ ایک صف میں پڑا ہوتا اور صبح نادر شاہ کو پہلے ہوش آتا تو اس وقت حوالات میں آرام فرما رہا ہوتا اور یہ سب راجا کی نااہلی کی وجہ سے ہوتا۔ یک لخت راجا کے لیے خیر سگالی کے جذبات ختم ہو گئے اور میں اسے آتش فشاں نظروں سے دیکھتا اور کسی آتش فشاں کی طرح گڑگڑاتا وہاں سے رخصت ہوا۔

دوسرا جھٹکا مجھے سنار کی دکان پر لگا جب میں نے اس سنار کو بالیاں دیں جس سے لی تھیں۔ "یار اس کا ڈیزائن پسند نہیں آیا ایسی ہی لیکن ذرا مختلف ڈیزائن کی بالیاں دے دو۔ قیمت کے اوپر نیچے ہونے کی فکر مت کرنا۔"

"ابھی لو جلیل بھائی۔" سنار نے دانت نکالے لیکن جب اس نے بالیوں کا معائنہ کیا تو اس کے دانت اندر چلے گئے۔ اس نے بالیاں میرے سامنے رکھیں "یار جلیل بھائی' تم سے ایسی توقع نہیں تھی۔ اپنوں کو ہی۔"

"کیا مطلب؟" میرا دل ایک دم ڈوبنے لگا۔

"مطلب یہ کہ بالیاں نقلی ہیں' پیتل کی۔ ان پر سونے کا پانی چڑھا ہے۔"

میں اسے الزام نہیں دے سکتا تھا کیونکہ جب اس سے بالیاں لے کر گیا تھا تو یہ سو فیصد سونے کی تھیں۔ اب نہ جانے چچا ٹیڈی نے ٹیڈی پن دکھایا تھا یا نادر شاہ کا حرامی پن تھا۔ بدبخت نے اپنی اکلوتی اولاد کو بھی نہیں بخشا تھا۔ اصلی سونے کی جگہ اس جیسی پیتل کی بالیاں رکھ دی تھیں۔ گویا میرے پاس وہی اٹھارہ ہزار روپے جو پہلے تھے۔ سو اب بھی ہیں۔ میں نے سرد آہ بھر کر سنار سے ویسی ہی بالیاں لیں لیکن ان کا بیرونی ڈیزائن مختلف رکھوایا تھا۔ میں اسی ڈیزائن کی بالیاں لیتا تو جیسے شنو نے عارفہ کے کانوں میں دیکھ لی تھیں اسی طرح عارفہ بھی شنو کے کانوں میں دیکھ سکتی تھی اور اس کے بعد میری خیر نہ ہوتی۔ نادر شاہ کے دو ہزار روپے تو میں نے اسی روز دے دیے تھے لیکن اب سوچ رہا ہوں کہ شنو کو بالیاں کیوں کر دوں اور کس منہ سے دوں۔